www.cpsglobal.org

الرسالہ

Al-Risala

May 2013 • No. 438

دوسروں کی شکایت صرف اپنی نااہلی کا اعلان ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الرسالہ

جاری کردہ 1976

مئی 2013

فہرست

اہلِ جنت کی رفاقت	2
بے نیازی کی نفسیات	3
احبار و رہبان کی پیروی	4
اللہ کی ایک سنت	5
فطرت کا ایک اصول	6
یہ اسلام نہیں	8
مشرق اور مغرب	10
حضرت ابراہیم کی امامت	11
مکمل نظام، مکمل آئڈیالوجی	26
خدا اور پیغمبر	27
اپنے آپ کو پہچانیے	37
حفاظت کا فارمولا	38
کامیابی کس کے لیے	39
سوال و جواب	40
خبر نامہ اسلامی مرکز	43

اردو اور انگریزی میں شائع ہونے والا

اسلامی مرکز کا ترجمان

زیر سرپرستی

مولانا وحید الدین خاں

صدر اسلامی مرکز

Al-Risala Monthly

1, Nizamuddin West Market
New Delhi-110 013
Mob. 8588822679, 8588822680
Tel. 011-46521511, 41827083,
Fax: 011-45651771
email: info@goodwordbooks.com
www.goodwordbooks.com

Subscription Rates
Single copy ₹15
One year ₹150
Two years ₹ 300
Three years ₹ 450

By Registered Mail:
One year ₹400
Two years ₹ 800
Three years ₹1200
Abroad by Air Mail. One year $20

Printed and published by
Saniyasnain Khan on behalf of
Al-Markazul Islami, New Delhi.

Printed at Nice Printing Press,
7/10, Parwana Road,
Khureji Khas, Delhi-110 051

اہلِ جنت کی رفاقت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات 632 عیسوی کو مدینہ میں ہوئی۔ آخر وقت میں آپ کی اہلیہ عائشہ آپ کے ساتھ تھیں۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ آخر وقت میں آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: اللھم الرفیق الأعلی (البخاري، رقم الحدیث: 6348) یعنی اے اللہ، تیری رفاقت چاہیے۔

ایک اور روایت میں حضرت عائشہ کے یہ الفاظ نقل کئے گئے ہیں: جعلتُ أسمعه يقول: في الرفيق الأعلى، ثم قرأ: 'مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا' (4:69) یعنی میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اے اللہ، رفیق اعلی کے ساتھ۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھی: ''اُن لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی پیغمبر اور صدیق اور شہید اور صالح، اور کیسی اچھی ہے اُن کی رفاقت''۔ (فتح الباري بشرح صحیح البخاري، 7/743)

اِس واقعے کا تعلق محدود طور پر خصائصِ نبوت سے نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق تمام اہلِ ایمان سے ہے۔ ایک مومن جب سچے ایمان کے ساتھ دنیا میں زندگی گزارتا ہے تو اپنے آخری زمانے میں اس کا احساس یہ ہوجاتا ہے کہ اللہ نے مجھے اکرم الخلق (17:70) کی حیثیت سے پیدا کیا، لیکن احسن المقام (25:76) کا تجربہ مجھے نہ ہوسکا۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہ میں پورے معنوں میں ایک طالب انسان تھا، لیکن میرا مطلوب اللہ نے آخرت میں جنت کی صورت میں رکھ دیا تھا، اس لیے میں اس کو نہ پاسکا۔ دنیا میں ایک سچے مومن کی تصویر وہی ہوتی ہے جس کو ایک حدیثِ رسول میں اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: الدنیا سجن المؤمن (صحیح مسلم، رقم الحدیث: 2956) یعنی دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔

جس صاحبِ ایمان کی نفسیات یہ ہو، وہ اپنے آخری زمانے میں، معنوی طور پر، اُسی کیفیت سے دوچار ہوتا ہے جس کا اظہار مذکورہ روایت میں پیغمبر کے حوالے سے کیا گیا ہے۔

بے نیازی کی نفسیات

قرآن کی سورہ العلق میں ایک انسانی کردار کو اِن الفاظ میں بتایا گیا ہے: كَلَّآ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَىٰ ○ أَنْ رَّآهُ اسْتَغْنَىٰ (96:6-7) یعنی ہرگز نہیں، انسان سرکشی کرتا ہے۔ اِس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو بے نیاز دیکھتا ہے:

Yet man behaves arrogantly, because he thinks himself self-sufficient.

قرآن کی اِس آیت میں ایک انسانی نفسیات کو بتایا گیا ہے۔ یہی نفسیات اکثر لوگوں کی سرکشی کا باعث بن جاتی ہے۔ یہ نفسیات، بے نیازی کی نفسیات ہے۔ بے نیازی کی نفسیات جب ترقی کرتی ہے تو وہ خودرائی، سرکشی اور گھمنڈ جیسی برائیوں کا سبب بن جاتی ہے۔

ایک شخص کے پاس اتنا مال آجائے کہ وہ کسی کا محتاج نہ رہے۔ ایک شخص جسمانی اعتبار سے اتنا طاقت ور ہو کہ وہ کسی کی مدد کے بغیر خود اپنا ہر کام کرلے۔ ایک شخص کے اندر اتنی زیادہ ذہنی صلاحیت ہو کہ وہ کسی کے مشورے کے بغیر خود اپنی عقل سے باتوں کو سمجھ لے اور اپنے عمل کا کامیاب منصوبہ بنا سکے۔ جس شخص کے اندر اِس قسم کی اضافی خصوصیت پائی جائے، وہ اپنے آپ کو دوسروں سے بے نیاز سمجھ لیتا ہے۔ شعوری یا غیر شعوری طور پر اُس کا یہ ذہن بن جاتا ہے کہ مجھے کسی کے اوپر انحصار کرنے کی ضرورت نہیں، میں خود اپنے ہر کام کو انجام دے سکتا ہوں۔

بے نیازی کی یہ نفسیات انسان کے ذہنی اور روحانی ارتقا کے لیے قاتل ہے۔ ایسے آدمی کا ذہنی ارتقا (intellectual development) رک جائے گا اور اپنی بے نیازانہ نفسیات کی بنا پر اس کو یہ محسوس بھی نہ ہوگا کہ میرے اندر ذہنی ارتقا کا عمل رک گیا ہے۔

بے نیازی بظاہر کوئی برائی نہیں، لیکن اپنے نتیجے کے اعتبار سے، وہ ایک سنگین برائی کی حیثیت رکھتی ہے۔ بے نیازی آخر کار آدمی کو کبر (arrogance) تک پہنچاتی ہے اور بلاشبہہ کبر سے زیادہ تباہ کن کوئی اور چیز انسان کے لیے نہیں۔

احبار ورہبان کی پیروی

قرآن کی سورہ التوبہ میں یہود ونصاری کے دورِ زوال کی ایک کمزوری کا ذکر اِن الفاظ میں کیا گیا ہے: اتخذوا أحبارهم ورُهبانهم أرباباً من دون الله (9:31) یعنی انھوں نے اللہ کے سوا، اپنے علما اور مشائخ کو اپنا رب بناڈالا۔

عدی بن حاتم الطائی (وفات: 68ھ) عرب کے ایک عیسائی تھے۔ مدنی دور میں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور اسلام قبول کرلیا۔ انھوں نے قرآن کی اِس آیت کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا۔ آپ نے اُن کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ یہود ونصاری کا یہ حال ہوگیا کہ اُن کے احبار ورہبان نے حلال کو حرام بتایا اور حرام کو حلال بتایا اور یہود ونصاری نے اس کو مان لیا۔ یہی وہ چیز ہے جس کا ذکر قرآن میں اِن الفاظ میں کیا گیا ہے کہ — انھوں نے اپنے احبار ورہبان کو اپنا رب بنالیا۔

یہ دراصل حاملِ کتاب امتوں کے دورِ زوال کا ایک ظاہرہ ہے۔ دورِ زوال میں یہ ہوتا ہے کہ خدا کی کتاب اُن کے لیے ان کے دین کا اصل ماخذ نہیں رہتی، بلکہ ان کے علما ومشائخ کے اقوال اُن کے دین کا ماخذ بن جاتے ہیں۔ دورِ زوال سے پہلے افرادِ امت کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں: إيتوني شيئاً من كتاب الله حتى أقول۔ لیکن جب دورِ زوال آتا ہے تو وہ کہتے ہیں: إيتوني شيئا من أقوال العلماء حتى أقول۔ اِس طرح گویا دورِ زوال کا مطلب ہے — دین میں مرجع اور ماخذ کا بدل جانا (change in source of reference)۔

موجودہ زمانے میں مسلم ملت کا جو حال ہے، اُس پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ مسلم ملت موجودہ زمانے میں عین اِسی حالت پر پہنچ چکی ہے۔ مسلمانوں کی تقریر وتحریر کو دیکھئے، اُن کے اداروں میں جو کلچر رائج ہے، اس پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ موجودہ زمانے کے مسلمان حقیقتاً قرآن وسنت پر کھڑے ہوئے نہیں ہیں، بلکہ عملاً وہ اپنے اکابر کے دین پر کھڑے ہوئے ہیں۔

اللہ کی ایک سنت

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک روایت، حدیث کی مختلف کتابوں میں آئی ہے۔ اِس کے مطابق، پیغمبر اسلام نے فرمایا: لقد كان فيما قبلكم من الأمم ناس محدَّثون، فإن يك في أمتي أحد فإنه عمر (صحيح البخاري، كتاب فضائل الصحابه، باب مناقب عمر بن الخطّاب، رقم الحديث: 3689) یعنی تم سے پہلے جو امتیں گزری ہیں، اُن میں محدَّث افراد ہوتے تھے۔ اگر میری امت میں ایسا کوئی شخص ہوگا تو وہ عمر ہیں۔

شارحین حدیث نے محدَّث کی شرح مُکلَّم اور مُلهَم کے الفاظ میں کی ہے، یعنی وہ شخص جس سے فرشتے بات کریں، یا جس پر الہام کیا جائے۔ انگریزی میں اِس کو انسپائرڈ شخص (inspired person) کہا جاسکتا ہے۔ شارحین نے اِس کو پُراسرار کرامت کے معنی میں لیا ہے اور محدثین نے اس کو مناقبِ صحابہ یا فضائل صحابہ کے عنوان کے تحت نقل کیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایک سنتِ الٰہی ہے، یعنی انسانی ہدایت کا خدائی انتظام، نہ کہ محض ایک شخصی کرامت۔

اصل یہ ہے کہ انسانوں کی رہنمائی کے لیے اللہ نے دو قسم کا انتظام کیا ہے — ایک، پیغمبر کے ذریعے، اور دوسرا، ملہَم انسان (inspired person) کے ذریعے۔ پیغمبر پر اللہ کی ہدایت ملفوظ وحی کے ذریعے آتی ہے جس کو علما وحیِ متلو کہتے ہیں۔ اِسی نوعیت کا معاملہ محدث یا ملہم انسان کے ساتھ پیش آتا ہے۔ اس کو فرشتوں کے ذریعے مسلسل طور پر خدائی رہنمائی ملتی رہتی ہے۔ اِس کی وجہ سے وہ اِس قابل ہوجاتا ہے کہ وہ لوگوں کو ہر صورتِ حال میں صحیح رہنمائی دے سکے۔ پیغمبر ایک صاحبِ وحی رہنما ہوتا ہے، اور محدث انسان ایک صاحبِ الہام رہنما۔ یہ معاملہ اللہ کی خصوصی رحمت کی بنا پر ہوتا ہے۔ پیغمبر کے بعد اللہ اگر محدث یا ملہم افراد پیدا نہ کرے تو بدلے ہوئے حالات میں لوگوں کے لیے خدا کی رہنمائی کو جاننا ناممکن ہوجائے۔ حقیقت یہ ہے کہ صحیح رہنمائی صرف خدائی مدد کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، پیغمبر کے زمانے میں بھی اور محدث انسان کے زمانے میں بھی۔

فطرت کا ایک اصول

علمِ نباتات کی ایک اصطلاح ہے جس کو ٹرانسپلانٹیشن (transplantation) کہا جاتا ہے، یعنی پودے کو ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لگانا، تاکہ وہ بہتر نشوونما پائے:

The act of removing a plant from one location and introducing it in another location.

یہی اصول انسانی زندگی کے لیے بھی ہے۔ انسانی گروہ کے لیے بھی کبھی یہ فیصلہ کیا جاتا ہے کہ اس کے عمل کے مقام کو بدلا جائے، تاکہ وہ زیادہ بہتر طور پر اپنا کام انجام دے سکے۔ اسلام میں ہجرت کا مقصد یہی ہے۔ اسلام کے مطابق، ہجرت سادہ طور پر صرف ترکِ مقام کے معنی میں نہیں، بلکہ وہ عمل کی تبدیلی کے معنی میں ہوتی ہے۔

اِس ہجرت کی دو صورتیں ہیں — ایک ہے عمل کے مقام (place of work) کو بدلنا۔ اور دوسرا وہ ہے جس کو رول کی تبدیلی (change of role) کہا جائے گا۔ اسلام کے دورِ اول کی تاریخ میں مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت پہلی قسم کی مثال ہے، اور حدیبیہ دوسری قسم کی مثال، جس نے اہلِ ایمان کے عسکری رول کو دعوتی رول میں تبدیل کر دیا۔

اسلام کے ظہور کے بعد مسلمانوں کو یہ موقع ملا کہ انھوں نے بڑی بڑی سلطنتیں قائم کرلیں۔ اِس کو مسلم ایمپائر کا دور کہا جاسکتا ہے۔ یہ دور تقریباً ایک ہزار سال تک جاری رہا۔ اٹھارھویں صدی کے آخر میں اس کا خاتمہ ہوگیا۔ چھوٹی چھوٹی مسلم حکومتیں اب بھی باقی تھیں، لیکن مسلم ایمپائر باقی نہ رہا۔

یہ واقعہ اپنی حقیقت کے اعتبار سے کسی کی سازش یا دشمنی کا نتیجہ نہ تھا، بلکہ وہ فطرت کے ایک اصول کے تحت پیش آیا اور وہ ٹرانسپلانٹیشن کا اصول تھا۔ اِس کے تحت ایسے حالات پیدا ہوئے جس کا تقاضا تھا کہ مسلمان اپنے رول کو بدلیں۔ اٹھارھویں صدی تک انھوں نے سیاسی رول ادا کیا تھا، اب نئے حالات میں اُن کو دعوتی رول ادا کرنا تھا۔

اسلام کے ظہور کے بعد ضرورت تھی کہ خدا کا دین کامل طور پر محفوظ اور مدوّن ہوجائے۔ اسلامی علوم کا ایک مستند کتب خانہ قائم ہوجائے۔ اٹھارھویں صدی میں پرنٹنگ پریس وجود میں آیا، اُس نے دین کی حفاظت وتدوین کے کام کو اتنا زیادہ مستحکم کردیا کہ اب اُس میں کسی قسم کی تبدیلی یا تحریف عملاً ناممکن ہوگئی۔

انیسویں صدی کا آغاز تاریخ انسانی میں ایک نئے دور کا آغاز تھا۔ اِس دور میں مذہبی جبر کی جگہ مذہبی آزادی آئی۔ کٹرپن کی جگہ کھلا پن (openness)، تعصب کے بغیر دوسرے مذاہب کا مطالعہ اور جدید مواصلات، وغیرہ۔ اِن تبدیلیوں کے نتیجے میں عالمی سطح پر تاریخ میں ایک نیا دور آگیا۔ اِس دور کو اپنی حقیقت کے اعتبار سے، دعوت کا دور (age of dawah) کہا جاسکتا ہے۔ اِسی کے ساتھ وہ چیز وجود میں آئی جس کو عالمی سیاحت (world tourism) کہا جاتا ہے۔ اِس کے نتیجے میں یہ ہوا کہ مختلف قوموں کے لوگ بڑی تعداد میں دوسرے ملکوں کا سفر کرنے لگے۔ مثلاً 2011 میں مختلف ملکوں کے جو سیاح شرقِ اوسط (Middle East) میں آئے، اُن کی تعداد 55 ملین سے زیادہ تھی۔

یہ حالات اشارہ کررہے تھے کہ اب مسلمانوں کا رول بدل گیا۔ اٹھارھویں صدی تک اگر اُن سے پولٹکل رول مطلوب تھا تو اب اُن سے دعوتی رول مطلوب ہے۔ اب انھیں چاہیے کہ وہ دوسری قوموں سے لڑائی کو مکمل طور پر ختم کردیں۔ وہ اپنے اور دوسری قوموں کی درمیان وہ پرامن اور معتدل حالات قائم کریں، جب کہ موافق ماحول میں دعوت الی اللہ کا کام عالمی سطح پر ہونے لگے۔

اب آخری وقت آگیا ہے کہ مسلمان اپنے رول کی اِس تبدیلی کو جانیں اور اپنی کوششوں کو پوری طرح دعوت کے میدان میں لگادیں۔ ورنہ اِس بات کا سخت اندیشہ ہے کہ ایک حدیثِ رسول کے مطابق، اُن کی مثال اُس حیوان جیسی ہوگی جس کے مالک نے اُس کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کیا، لیکن وہ اِس سے بےخبر رہا کہ اِس منتقلی کے ذریعے اس کا مالک اُس سے کیا چاہتا ہے: والمنافق مثله كمثل الحمار، لا يدري فيم ربط أهله ولا فيم أرسلوه (تفسير ابن كثير 450/3) یعنی منافق کی مثال گدھے کی طرح ہے کہ وہ نہیں جانتا کہ اس کے مالک نے کس لیے اس کو باندھا اور کیوں اس کو چھوڑ دیا۔

یہ اسلام نہیں

مصر میں سابق صدر حسنی مبارک کے خلاف ایک تحریک اٹھی۔ اِس کی قیادت الاخوان المسلمون کے لوگ کررہے تھے۔ اِس کے نتیجے میں حسنی مبارک کی حکومت ختم ہوگئی۔ اِس کے بعد مصر میں الیکشن ہوا۔ الیکشن کے بعد الاخوان المسلمون کے ایک لیڈر ڈاکٹر محمد مرسی مصر کی نئی حکومت کے صدر مقرر ہوئے۔ جنوری 2013 میں اِس ''انقلاب'' پر ایک سال گزر چکے ہیں، مگر ابھی تک وہاں امن قائم نہیں ہوا۔

26 جنوری 2013 کو سوئز کے کنارے واقع شہروں میں مصریوں کا ایک جلوس نکالا گیا۔ ایک واقعے کو لے کر جلوس اور پولس کے درمیان ٹکراؤ ہوا۔ اِس ٹکراؤ میں تقریباً 50 آدمی مارے گئے۔ جلوس کے شرکا اپنے ہاتھ میں بہت سے بینر لیے ہوئے تھے۔ اِن بینروں میں پچھلے سال اِسی قسم کے ایک تصادم میں ہلاک ہونے والے مصریوں کی تصویریں تھیں۔ اِن تصویروں کے اوپر جلی حرفوں میں لکھا ہوا تھا: لن ننساکم (ہم ہرگز تم کو نہیں بھولیں گے)۔

یہ نہ بھولنے کا کلچر ہر جگہ کے مسلمانوں میں عام ہے۔ موجودہ زمانے میں مسلمان بار بار ایسا کرتے ہیں کہ وہ جذباتی اِشوز پر پرشور مظاہرے کرتے ہیں۔ یہ مظاہرہ بعد کو تشدد کی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ اِس میں بہت سے لوگ زخمی ہوتے ہیں اور بہت سے لوگ مارے جاتے ہیں۔

ہر جگہ کے مسلمان اِسی نفسات میں جی رہے ہیں کہ ہم اپنے ''شہیدوں'' کو نہیں بھولیں گے، ہم ضرور اُن کا بدلہ لیں گے۔ اِس کے نتیجے میں مسلمان ایک قسم کی آتش پذیر کمیونٹی (combustible community) بن گئے ہیں۔

موجودہ زمانے کے مسلمانوں میں ہر جگہ یہی کلچر پھیلا ہوا ہے۔ اِس کلچر نے تمام دنیا کے مسلمانوں کو نفرت اور تشدد کی نفسیات میں مبتلا کردیا ہے۔ ہر جگہ کے مسلمانوں کا حال یہ ہے کہ وہ منفی جذبات سے بھرے رہتے ہیں اور کوئی بھی خلافِ مزاج واقعہ پیش آنے پر وہ فوراً بھڑک اٹھتے ہیں۔

موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی یہ منفی نفسیات بلاشبہہ ان کا سب سے بڑا مسئلہ ہے۔ مسلمانوں پر

لازم ہے کہ وہ نہ بھلانے والے کلچر کو چھوڑ کر، بھلانے والا کلچر اختیار کریں، ورنہ وہ قیامت تک اِس کے تباہ کن نتائج بھگتتے رہیں گے۔ کوئی بھی دوسری تدبیر اِس معاملے میں اُن کو نجات دینے والی نہیں۔

انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے دوران مسلمانوں کے اندر بڑی بڑی سیاسی تحریکیں اٹھیں۔ اِن تمام تحریکوں کا نشانہ براہِ راست یا بالواسطہ طور پر صرف ایک تھا— کھوئے ہوئے مسلم ایمپائر کا دوبارہ قیام۔ مگر دوسو سال کی دھواں دھار سرگرمیوں کے باوجود یہ نشانہ حاصل نہیں ہوا۔ اِن تمام سیاسی تحریکوں کے مسلم رہنما آخر کار مایوسی میں مبتلا ہوئے اور مایوسی میں اِس دنیا سے چلے گئے۔

اِس کا سبب یہ تھا کہ کوئی سیاسی ایمپائر، خواہ وہ مسلم ایمپائر ہو یا غیر مسلم ایمپائر، حالات کے تحت قائم ہوتا ہے۔ یہ قدیم زمانے کا ایک ظاہرہ تھا کہ مختلف قوموں نے اپنے ایمپائر قائم کیے۔ اِنھیں زمانی حالات کی بنا پر مسلمانوں کو بھی یہ موقع مل گیا کہ وہ اپنا ایمپائر قائم کریں۔

مگر اٹھارھویں صدی میں یہ زمانی حالات ختم ہو گئے۔ اب کسی قوم کے لیے یہ ممکن نہ رہا کہ وہ قدیم طرز کا سیاسی ایمپائر قائم کرے۔ مسلمانوں کی سیاسی تحریکوں کو جو ناکامی ہوئی، وہ کسی دشمن کی ''سازش'' کی بنا پر نہ تھی، وہ صرف اِس لیے تھی کہ موجودہ زمانے میں اٹھنے والے مسلم رہنما زمانے کی تبدیلی سے بے خبر تھے۔ اِس بنا پر وہ ایسی سیاست کے چیمپئن بنے رہے جو نئے دور میں سرے سے ممکن ہی نہ تھی۔

اب جو لوگ مسلم تحریکوں کی ناکامی کو دشمن کی ''سازش'' قرار دے کر مضامین اور کتابیں لکھ رہے ہیں، وہ صرف اپنی بے دانشی کا ثبوت دے رہے ہیں۔ اکیسویں صدی میں تمام دنیا کے مسلمانوں کو صرف ایک ہی کام کرنا ہے، یہ کہ وہ ماضی میں کی ہوئی اپنی غلطیوں کا اعتراف کریں اور یہ عہد کریں کہ اب دوبارہ وہ ایسی غلطی نہ کریں گے، نہ فکری اعتبار سے اور نہ عملی اعتبار سے۔

موجودہ دنیا میں غلطی کرنا ایک امرِ فطری ہے۔ کوئی بھی شخص غلطی کر سکتا ہے، لیکن غلطی کے بعد جب موافق نتیجہ نہ نکلے تو یہ بلاشبہہ دیوانگی ہوگی کہ اپنی ناکامیوں کا سبب دشمنوں کی سازش کو قرار دے دیا جائے۔ غلطی کرنا قابلِ معافی ہے، لیکن غلطی کا اعتراف نہ کرنا ہرگز قابلِ معافی نہیں۔

مشرق اور مغرب

ایک مشہور مسلم لیڈر اگست 2012 میں ایک کانفرنس میں شرکت کے لیے ترکی گئے۔ وہاں انھوں نے میڈیا کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ — یہ بہت اچھی بات ہے کہ ترکی نے مغرب کے بجائے مشرق کی طرف دیکھنا شروع کر دیا ہے:

It is very good that Turkey has started looking East instead of West.

انسانیت کو مشرق اور مغرب میں تقسیم کرنے کا ذہن ایک قومی ذہن ہے۔ ایک قومی لیڈر اس قسم کے الفاظ بول سکتا ہے، لیکن ایک مسلمان ایسے الفاظ بولنے کا تحمل نہیں کرسکتا، کیوں کہ اسلام ایک قومیت نہیں، بلکہ وہ ایک انسانی مشن ہے۔ رُڈیارڈ کپلنگ (Rudyard Kipling) ایک برٹش شاعر اور اسٹوری رائٹر تھا۔ وہ 1865 میں ممبئی میں پیدا ہوا اور 1936 میں اس کی وفات ہوئی۔ رڈیارڈ کپلنگ نے کہا تھا کہ مغرب، مغرب ہے اور مشرق، مشرق۔ دونوں کبھی ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے:

West is West and East is East, and the twain shall never meet.

اِس قسم کی سوچ سرتاسر غیر داعیانہ سوچ ہے۔ مومن کا مشن عالمی دعوت کا مشن ہے۔ یہ ذہن فطری طور پر مومن کے اندر آفاقیت پیدا کرتا ہے۔ اس کا نشانہ پوری انسانیت ہوتی ہے۔ وہ قومی تعصب سے یکسر خالی ہوتا ہے۔ وہ سارے انسانوں کا خیر خواہ ہوتا ہے۔ وہ سارے انسانوں کو ایک فیملی کی طرح اپنا سمجھتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مومن ''ہم اور وہ'' (We and They) کے تصور سے ناآشنا ہوتا ہے۔ اِس کے بجائے مومن کا تصور ''ہم اور ہم'' (We and We) کے تصور پر مبنی ہوتا ہے۔ قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تمام انسانوں کا رب ہے۔ یہی وہ عقیدہ ہے جو مومن کا ذہن بناتا ہے۔ مومن اپنے عقیدے کے اعتبار سے، اس کا تحمل نہیں کرسکتا کہ وہ انسان کو مشرق اور مغرب میں بانٹے۔ مومن کی نظر میں ہر ایک اس کا ہے اور وہ ہر ایک کا۔ یہی وہ تصور ہے جو مومن کی اخلاقیات کی تشکیل کرتا ہے اور یہی وہ آفاقی تصور ہے جو مومن کے اندر یہ عالمی خیر خواہی پیدا کرتا ہے کہ وہ تمام دنیا والوں کی ہدایت کا حریص بن جائے۔

حضرت ابراہیم کی امامت

حضرت ابراہیم تقریباً چار ہزار سال پہلے عراق میں پیدا ہوئے۔ وہ تینوں سامی مذاہب — یہودیت، عیسائیت اور اسلام کے مشترک پیشوا مانے جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم کے بارے میں قرآن میں عالمی امامت کا اعلان ان الفاظ میں کیا گیا ہے: وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (2:124) یعنی جب ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں آزمایا تو ابراہیم نے اُن کو پورا کر دکھایا۔ اللہ نے کہا میں تم کو تمام انسانوں کا امام بناؤں گا۔

حضرت ابرہیم کا ذکر بائبل (عہد نامہ قدیم) میں تفصیل کے ساتھ آیا ہے۔ حضرت ابراہیم کی امامت کے بارے میں قرآن کی مذکورہ آیت میں جو بات کہی گئی ہے، وہ بائبل میں بھی ان الفاظ میں آئی ہے — اور زمین کی سب قومیں اس کے وسیلے سے برکت پائیں گی:

All the nations of the earth shall be blessed in him. (Genesis 18:18)

قرآن اور بائبل کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم کو عالمی امامت کا درجہ دیا۔ یہ عالمی امامت کیا تھی، اس کے بارے میں یہودی علما، مسیحی علما اور مسلم علما تقریباً سب کے سب بے خبری میں مبتلا ہیں۔ وہ اِس کو صرف ایک پراسرار (mysterious) مفہوم میں لیے ہوئے ہیں، حالاں کہ یہ ایک تاریخی واقعہ تھا۔ اس کی عظمت صرف اُس وقت واضح ہوتی ہے جب کہ اس کو تاریخ کی زبان میں بیان کیا جائے۔

منصوبہ تخلیق

اصل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کی تخلیق کے بعد انسانی نسلوں کی ہدایت کے لیے اولاً پیغمبر بھیجنا شروع کیا۔ حضرت آدم سے لے کر حضرت ابراہیم تک بڑی تعداد میں پیغمبر آئے، لیکن دنیا میں مطلوب حالت قائم نہ ہوسکی۔ وہ مطلوب حالت یہ تھی کہ ایک طرف، دینِ خداوندی کا مستند متن محفوظ

ہوجائے۔ اور دوسری طرف انسان کو دینِ خداوندی کے معاملے میں کامل آزادی حاصل ہو۔ دین کے معاملے میں کسی بھی قسم کی رکاوٹ باقی نہ رہے۔ مگر مختلف اسباب کے تحت ایسا ہوا کہ انسانی زندگی میں ایک برعکس حالت قائم ہوگئی۔ اِس کو ایک لفظ میں، استبدادیت (despotism) کہا جاسکتا ہے۔ اِس کے نتیجے میں دنیا میں ہر جگہ انسانی زندگی میں استبدادی ماڈل (despotic model) رائج ہوگیا۔ اِس ماڈل کے تحت انسانی زندگی کے تمام معاملات مُستَبِد حکمراں (despotic rulers) کے تحت آ گئے۔ یہ مستبد حکمراں اپنے مزاج کے تحت ہر نئی چیز کے دشمن ہوتے تھے۔ وہ ہر نئی تحریک کو پوری طاقت سے کچل دیتے تھے، تاکہ لوگوں کے اوپر ان کی حکمرانی غیر مشروط طور پر قائم رہے۔

اِسی نظام کا ایک ظاہرہ وہ تھا جس کو قرآن میں فتنہ (8:39) کہا گیا ہے۔ اِس ظاہرے کا سیکولر نام مذہبی جبر ہے۔ اِسی مذہبی جبر کی بنا پر قدیم زمانے میں لوگوں کو مذہب توحید اختیار کرنے کی اجازت نہ تھی، کیوں کہ وہ حکمراں کے اختیار کردہ مذہب کے خلاف ہوتا تھا۔ اِسی بنا پر قدیم زمانے میں موحدین کو قتل کردیا گیا یا آگ میں جلادیا گیا۔ اِسی بنا پر اصحاب کہف (Seven Sleepers) اپنی بستی کو چھوڑ کر ایک غار میں پناہ لینے پر مجبور ہوئے، وغیرہ۔ قدیم زمانے میں اِس قسم کے جو شدید واقعات پیش آئے، اس کا سبب کوئی سیاسی اختلاف نہ تھا، بلکہ اس کا سبب تمام تر صرف مذہبی اختلاف تھا۔

نیا عمل

حضرت ابراہیم کے زمانے میں اللہ نے تاریخ میں ایک نیا عمل (process) جاری کیا۔ یہ عمل انسان کی آزادی کو منسوخ کیے بغیر کیا گیا۔ اِسی کے ساتھ اسباب کے ماحول کو پوری طرح برقرار رکھا گیا۔ اِس صورتِ حال کی بنا پر اِس خدائی عمل کے ساتھ ایک شبہہ کا عنصر (element of doubt) شامل ہوگیا۔ یہی وجہ ہے کہ مذاہب ثلاثہ کے علما خدا کے اِس منصوبے کو سمجھ نہ سکے۔ حضرت ابراہیم کی امامت کا معاملہ علماءِ مذاہب کے لیے ایک پراسرار معاملہ بنا رہا۔

مذاہبِ ثلاثہ کے علما اِس معاملے میں کنفیوژن کا شکار ہیں۔ وہ اِس واقعے کی کوئی ایسی توجیہہ دریافت نہ کرسکے جو اِس معاملے میں اُن کو یقین پر کھڑا کرنے والی ہو۔ انھوں نے اپنے ذہنی سانچہ

(mind-set) کے اعتبار سے، بعض توجیہات کیں، مگر انھوں نے دیکھا کہ ان توجیہات کو تاریخ کی تصدیق حاصل نہیں ہو رہی ہے، اس لیے وہ اِس معاملے میں کنفیوژن کا شکار ہو کر رہ گئے۔

مثلاً کچھ لوگوں نے کہا کہ حضرت ابراہیم کے ذریعہ دنیا کو توحید کی مستند آئڈیالوجی ملی۔ مگر یہ بات حقیقتِ واقعہ کے خلاف ہے، کیوں کہ دنیا کو توحید کی آئڈیالوجی قرآن کے ذریعے حاصل ہوئی، نہ کہ صُحفِ ابراہیم (87:19) کے ذریعے، جو کہ عملاً اب گم شدہ صحائف کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کچھ لوگوں نے یہ کہا کہ حضرت ابراہیم کے ذریعے ساری دنیا میں خدائی حکومت قائم ہوئی، مگر تاریخ میں ایسے کسی واقعے کا ذکر نہیں جب کہ ساری دنیا میں خدائی حکومت قائم ہوا اور حضرت ابراہیم اس میں صدر کی حیثیت رکھتے ہوں، وغیرہ۔ اِس قسم کی تمام توجیہات لوگوں کے اپنے ذہن کی پیداوار ہیں، اُن کا خدا کے نقشۂ تخلیق سے کوئی تعلق نہیں۔

اِس معاملے میں خدا کا منصوبہ کیا تھا، اس کو قرآن اور حدیث کے مطالعے سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ قرآن کی سورہ المائدہ میں ایک آیت آئی ہے جس کو اکمالِ دین (5:3) کی آیت کہا جاتا ہے۔ اِس آیت میں اکمالِ دین سے مراد شرعی احکام کی فہرست کا مکمل کرنا نہیں ہے، بلکہ اِس سے مراد اہلِ دین کے لیے خوف کی حالت کا خاتمہ ہے۔ یہی وہ بات ہے جس کو آیت میں اِن الفاظ میں کہا گیا ہے: اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ (5:3) یعنی آج منکرین تمھارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے، پس تم اُن سے نہ ڈرو، صرف مجھ سے ڈرو۔

قرآن کی مذکورہ آیت میں کسی وقتی واقعے کا ذکر نہیں ہے، اِس میں ایک تاریخی حقیقت کا اعلان کیا گیا ہے۔ یہ آیت حجۃ الوداع (10 ہجری) کے موقع پر نازل ہوئی۔ اِس آیت کا نزول دراصل تاریخ کے ایک دور کے خاتمے اور تاریخ کے دوسرے دور کے آغاز کا اعلان تھا۔ یہ اعلان اب پوری طرح واقعہ بن چکا ہے۔ اگرچہ اہلِ مذاہب اپنے خود ساختہ ذہن کی بنا پر اِس حقیقت سے بے خبر رہے۔

اسباب اور انسانی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے جو خدائی منصوبہ بندی کی گئی، اس کا خاص نشانہ

یہ تھا کہ دنیا میں مذہبی جبر کا مکمل خاتمہ ہوجائے، ہر انسان کو یہ موقع ہو کہ وہ مذہب کے معاملے میں اپنے انتخاب (choice) کے لیے مکمل طور پر آزاد ہوجائے۔ یہ منصوبہ بندی مکمل طور پر ایک غیر سیاسی منصوبہ بندی تھی۔ اس کا سیاست سے کوئی تعلق نہ تھا، نہ نظری اعتبار سے اور نہ عملی اعتبار سے۔

حضرت ابراہیم کے ذریعے جو منصوبہ بندی کی گئی، اس کے دو پہلو تھے — ایک یہ تھا کہ مطلوب صورتِ حال کا ایک ابتدائی نمونہ (prototype) تیار کرنا۔ اس کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ انسان کی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے تاریخ میں ایسا عمل (process) جاری کرنا جو آخر کار ایک نئے دور کو وجود میں لائے، جب کہ مذکورہ ابتدائی اور وقتی نمونہ ایک عالمی انقلاب کی صورت اختیار کرلے اور اس طرح تمام دنیا کے انسانوں کے لیے عمومی طور پر اور مستقل طور پر یہ امکان کھل جائے کہ وہ کسی بھی جبر کے بغیر ہر قسم کی مذہبی سرگرمیوں کے لیے آزاد ہوں۔ اپنے ذاتی عقیدے کے معاملے میں بھی اور دوسروں کے درمیان اپنے عقیدے کی اشاعت کے معاملے میں بھی۔

وہ چیز جس کو اوپر ابتدائی نمونہ (prototype) کہا گیا ہے، اس کی مثال حضرت یوسف کے ذریعے قائم کی گئی۔ حضرت یوسف، حضرت ابراہیم کے گریٹ گرینڈسن (great grandson) تھے۔ وہ فلسطین اور شام کے درمیان ایک گاؤں (کنعان) میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں مصر ایک ترقی یافتہ ملک تھا۔ یہاں ایک خاندان حکومت کرتا تھا، جس کو ہکسا س بادشاہ (Hyksos Kings) کہا جاتا ہے۔ حضرت یوسف کے زمانے میں یہاں جو بادشاہ حکومت کر رہا تھا، اس کا نام یہ تھا — اپوفس (Apophis)۔ یہ بادشاہ استثنائی طور پر ایک منفرد مزاج کا آدمی تھا۔ وہ شخصی طور پر ایسی صفات کا حامل تھا جو مطلوب منصوبے کے لیے ایک موزوں کردار کی حیثیت رکھتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ خدائی منصوبے کے تحت حضرت یوسف کو کنعان سے نکال کر قدیم مصر کی راجدھانی ممفس (Memphis) پہنچایا گیا۔ یہاں ایسے اسباب پیدا ہوئے جن کے تحت حضرت یوسف اُس وقت کے مصری بادشاہ کے دربار میں پہنچے۔ بادشاہ حضرت یوسف کی صلاحیت سے اتنا زیادہ متاثر ہوا کہ اُس نے اپنے ایک فیصلے کے تحت، حضرت یوسف کو مصر کے خزائن (وسائل ارض) کا انچارج بنا دیا (12:55)۔

حضرت یوسف کا یہ قصہ قرآن اور بائبل دونوں میں یکساں طور پر تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اِس سلسلے میں بائبل کا بیان یہ ہے کہ بادشاہ نے کہا— میری ساری رعایا تیرے حکم پر چلے گی۔ فقط تخت کا مالک ہونے کے سبب میں بزرگ تر ہوں گا:

Only in regard to the throne, I will be greater than you. (Genesis 41:40)

حضرت یوسف کے ذریعے مصر میں جو مثال قائم ہوئی، وہ دراصل اُس عمومی اور عالمی حالت کا ایک ابتدائی نمونہ تھا جو حضرت ابراہیم کے جاری کردہ تاریخی عمل کے نتیجے میں بعد کو زیادہ بڑے پیمانے پر قائم ہونے والا تھا۔ حضرت یوسف کے ذریعے قدیم مصر میں یہ مثال قائم ہوئی کہ اگر حاکم کے محدود سیاسی اقتدار کو تسلیم کرلیا جائے اور اُس سے کوئی تعرض نہ کیا جائے تو کس طرح ایک انسان کے لیے ہر قسم کے مذہبی دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہ گویا سیاسی ادارہ (political institution) اور غیر سیاسی اداروں (non-political institutions) کے درمیان علاحدگی کا معاملہ تھا۔ یہ علاحدگی اللہ کے منصوبے کے عین مطابق تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اِس معاملے کو قرآن میں احسن القصص (12:3) کہا گیا ہے، یعنی بہترین قصہ (best story)۔

قرآن کی اِس آیت میں ''بہترین قصہ'' سے مراد دراصل بہترین ماڈل (best model) ہے۔ اللہ تعالی کے نزدیک انسان کی اجتماعی زندگی کا بہترین ماڈل وہی ہے جس کا ایک ابتدائی نمونہ حضرت یوسف کے ذریعے ساڑھے تین ہزار سال پہلے قدیم مصر میں قائم کیا گیا۔ اِس معاملے کو دوسرے الفاظ میں، اِس طرح کہا جاسکتا ہے کہ قدیم مستبدانہ ماڈل (despotic model) کی جگہ جمہوری ماڈل (democratic model) کو دنیا میں رائج کرنا۔ کچھ لوگ جمہوری نظام کو لادینی نظام کہتے ہیں، مگر یہ درست نہیں۔ جدید جمہوری نظام دراصل سیکولرزم کے اصول پر قائم ہے۔ اس کے مطابق، جمہوریت عدم مداخلت کی پالیسی (policy of non-interference) کا دوسرا نام ہے، یعنی سیاسی اقتدار کے ادارے کا اِس پر راضی ہوجانا کہ وہ اپنے حدود کو انتظامیہ (administration) تک محدود رکھے گا۔ انتظامِ ملکی سے باہر جو ادارے ہیں، وہ اپنے دائرے میں

مکمل طور پر آزاد ہوں گے۔ مثلاً تعلیم، صحافت، اشاعتی ادارے، اقتصادی سرگرمیاں، مذہب، دعوت وتبلیغ، وغیرہ۔ اِس میں وہ تمام پُرامن سرگرمیاں شامل ہیں جن کو موجودہ زمانے میں غیر سیاسی سرگرمیاں (non-political activities) یا این جی اوز (NGOs) کی سرگرمیاں کہا جاتا ہے۔

نئی نسل کی تیاری

اِس سلسلے میں دوسری زیادہ بڑی منصوبہ بندی جو حضرت ابراہیم کے ذریعے چار ہزار سال پہلے شروع کی گئی، اس کا مرکز قدیم مکہ تھا۔ حضرت ابراہیم نے اپنی ایک دعا میں یہ الفاظ کہے تھے: رب إنهنّ أضللن كثيراً (14:35)۔ اِن الفاظ میں دراصل اُس دور کا ذکر تھا جس کو ماقبل ابراہیم دور (pre-Abraham age) کہا جاسکتا ہے۔ اِس قدیم دور میں شرک تمام انسانی آبادیوں میں ایک عمومی کلچر کی حیثیت اختیار کر چکا تھا، حتی کہ تاریخ میں اس کا تسلسل قائم ہوگیا۔ مزید یہ کہ مشرکانہ کلچر کو قدیم زمانے کی حکومتوں کی مکمل حمایت حاصل تھی۔

اِس حکومتی حمایت کی بنا پر ایک شدید تر صورتِ حال پیدا ہوگئی۔ وہ تھا — اعتقادی شرک کے ساتھ اس میں حکومتی تشدد کا شامل ہوجانا۔ اعتقادی شرک اور سیاسی اقتدار کے اِس اتحاد کی بنا پر وہ صورتِ حال پیدا ہوئی جس کو مذہبی جبر (religious persecution) کہا جاتا ہے۔

اِس نظامِ جبر کو ختم کرکے نظامِ آزادی کو دنیا میں لانا ایک لمبا تاریخی منصوبہ تھا۔ اِس کے لیے صرف آئڈیالوجی کافی نہیں تھی، اِس کے لیے ضرورت تھی کہ ایک مطلوب ٹیم وجود میں آئے۔ یہ ٹیم ایک آئیڈیالوجی کے تحت متحد ہو، تمام ضروری شرطوں کو اختیار کرتے ہوئے یہ ٹیم ایک ہمہ گیر جدوجہد کرے، وہ انسانی تاریخ میں ایک نئے انقلابی عمل (revolutionary process) کا آغاز کرے، انسان کی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے وہ اپنا سفر شروع کرے اور پھر اللہ کی خصوصی تدبیر (management) کے ذریعے وہ اپنے منتہا (culmination) تک پہنچ جائے۔ اٹھارھویں صدی میں جو سیاسی انقلاب آگیا اور جس کے نتیجے میں جمہوری ماڈل دنیا میں رائج ہوا، وہ حضرت ابراہیم کے ذریعے جاری کردہ اِسی عمل کی تکمیل کی حیثیت رکھتا تھا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات 632 عیسوی میں ہوئی۔ اُس وقت سارا عرب اسلام کے ماتحت آچکا تھا۔ پیغمبر اسلام اِس عرب ریاست کے سربراہ تھے۔ آپ نے ایک بااختیار صدر مملکت کی حیثیت سے یہ اعلان کیا کہ: لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي، ولا لأحمر على أسود، ولا لأسود على أحمر، إلا بالتقوى (مسند أحمد، رقم الحديث: 24204) یعنی کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فضیلت ہے۔ کسی سفید فام کو کسی سیاہ فام پر کوئی فضیلت نہیں، اور نہ کسی سیاہ فام کو کسی سفید فام پر کوئی فضیلت ہے، سوا تقوی کے۔ یہ تاریخ میں حصولِ جمہوریت کا پہلا باضابطہ اعلان تھا۔ اِس ریاستی اعلان کا مطلب یہ تھا کہ نظریاتی اعتبار سے، اب غیر جمہوری دور کا خاتمہ ہو گیا اور جمہوری دور کا اصولی طور پر آغاز ہو گیا۔ اِس طرح تاریخ میں ایک نیا عمل شروع ہوا جو انسانی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے بتدریج بعد کی تاریخ میں جاری رہا۔

اِسی اعلانِ جمہوریت کا ایک عملی مظاہرہ وہ تھا جو اِس اعلان کے تقریباً 10 سال بعد حضرت عمر فاروق کی خلافت کے زمانے میں پیش آیا۔ اُس وقت حضرت عمر کی خلافت کے زمانے میں مصر کا ملک مدینہ کی ریاست میں شامل ہو چکا تھا۔ اُس وقت مصر میں ایک واقعہ ہوا، وہ یہ کہ ایک عرب مسلمان اور ایک مصری مسیحی کے درمیان ایک مسئلے پر نزاع ہوئی۔ عرب مسلمان جو گورنر کا بیٹا تھا، اس نے مسیحی کو کوڑا مار دیا۔ یہ مسیحی مصر سے چل کر مدینہ آیا۔ اُس نے خلیفہ عمر فاروق سے شکایت کی۔ خلیفہ نے گورنر اور اس کے بیٹے دونوں کو مدینہ بلوایا۔ جب وہ لوگ آ گئے تو خلیفہ نے مصر کے مسیحی کو ایک کوڑا دیا اور کہا کہ گورنر کے بیٹے کو مارو۔ مسیحی نے کوڑا اپنے ہاتھ میں لیا اور گورنر کے بیٹے کو مارنا شروع کیا۔ جب وہ اچھی طرح مار چکا تو اس کے بعد خلیفہ نے مذکورہ عرب مسلمان کے باپ عمرو بن العاص کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: متى استعبدتم الناس وقد ولدتهم أمهاتهم أحرارا (سيرة عمر بن الخطاب، علي محمد الصلابّي، 1/306) یعنی اے عمرو، تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنالیا، جب کہ ان کی ماؤں نے اُن کو آزاد پیدا کیا تھا۔

جس وقت یہ واقعہ ہوا، اُس وقت خلافت ایک ایمپائر بن چکی تھی جس کے حدودِ مملکت ایشیا

سے افریقہ تک پھیلے ہوئے تھے۔ ایسی حالت میں خلیفہ کے الفاظ محض ایک شخص کے الفاظ نہ تھے، بلکہ وہ وقت کی سب سے بڑی سلطنت کی طرف سے گویا بین اقوامی پالیسی کا اعلان تھا۔ یہ پالیسی تاریخ میں سفر کرتی رہی۔ انسانی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے وہ تاریخ کو ایک نیا شیپ (shape) دیتی رہی، یہاں تک کہ یہ عمل یورپ تک پہنچ گیا۔ فرانس کے مشہور جمہوری مفکر روسو (J. J. Rousseau) کی کتاب سوشل کنٹریکٹ (*Social Contract*) 1762 میں شائع ہوئی۔ اِس کتاب میں جمہوریت (democracy) کی آئڈیالوجی کو پیش کیا گیا تھا۔ روسو نے اپنی کتاب کا آغاز جس جملے سے کیا، وہ گویا خلیفہ عمر فاروق کے مذکورہ قول کا اعادہ تھا۔ روسو کی کتاب کا ابتدائی جملہ یہ تھا— انسان آزاد پیدا ہوا تھا، مگر میں اس کو زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھتا ہوں:

Man was born free, but I see him in chains.

جمہوریت کی یہ تحریک 1789 میں ایک باقاعدہ سیاسی واقعہ بن گئی، جب کہ یورپ میں وہ واقعہ پیش آیا جس کو انقلاب فرانس (French Revolution) کہا جاتا ہے۔ انقلاب فرانس نے اصولی طور پر بادشاہت (kingship) کے نظام کا خاتمہ کر دیا اور جمہوریت کو ایک سیاسی نظام کی حیثیت سے بالفعل قائم کر دیا۔ یہ تاریخی عمل 1948 میں آخری طور پر مکمل ہو گیا، جب کہ اقوامِ متحدہ (UNO) کا باضابطہ قیام عمل میں آیا اور دنیا کی تمام قومیں باضابطہ طور پر اقوامِ متحدہ کی ممبر بن گئیں۔ اِس ادارے کے تحت دنیا کی تمام قوموں نے اِس عہد نامے پر دستخط کر دئے۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ استبدادی ماڈل اب آخری طور پر غیر مطلوب ماڈل قرار پا گیا اور جمہوری ماڈل کو عملاً مسلمہ ماڈل کی حیثیت دے دی گئی۔

جمہوری ماڈل

جمہوریت کی تعریف (definition) عام طور پر اِس طرح کی جاتی ہے — عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے، عوام کے لیے:

Government of the people, by the people, for the people

یہ تعریف جمہوریت کے صرف ظاہری ڈھانچے کو بتاتی ہے۔ اِس سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ جمہوریت کے حقیقی

فوائد کیا ہیں اور انسانی زندگی کے حق میں اس کے دور رس نتائج کیا پیدا ہوئے۔ جمہوریت اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے، اُس سے بہت زیادہ ہے جیسا کہ وہ مذکورہ تعریف کے مطابق، نظر آتی ہے۔

جمہوریت کا اصل فائدہ یہ ہے کہ اس نے اُن تمام رکاوٹوں کو ختم کر دیا جو قدیم غیر جمہوری نظام کے تحت انسان پر عائد تھیں۔ جمہوریت نے کامل معنوں میں، انسان کو فکر و خیال کی آزادی دے دی۔ انسان اپنے فطری وجود کے اعتبار سے، امکانات کی ایک کائنات اپنے اندر رکھتا ہے۔ اِن انسانی امکانیات (potentials) کو انفولڈ (unfold) کرنے کے لیے صرف ایک چیز کی ضرورت ہے اور وہ ہے کامل آزادی۔ قدیم زمانے میں اِس انسانی آزادی پر پابندی لگی ہوئی تھی، اِس کا یہ نتیجہ تھا کہ قدیم زمانے میں انسان کوئی بڑی ترقی نہ کر سکا، نہ مذہبی اعتبار سے اور نہ سیکولر اعتبار سے۔

موجودہ زمانے میں جمہوریت کا دور آیا تو اسی کے ساتھ کامل آزادی کا دور آ گیا۔ اِس آزادی کا نتیجہ یہ ہوا کہ انسان کی تمام فطری صلاحیتیں انفولڈ ہونے لگیں۔ وہ تمام ترقیاں جن کے مجموعے کو تہذیب (civilization) کہا جاتا ہے، وہ دراصل اِسی انفولڈنگ (unfolding) کا نتیجہ ہیں۔ اِسی کے نتیجے میں یہ ہوا کہ دنیا میں مذہبی آزادی کا دور آیا۔ فطرت کے اندر چھپی ہوئی سائنسی حقیقتوں کی دریافت ہوئی۔ انسان کو پرنٹ میڈیا اور الیکٹرانک میڈیا کی دولت ملی۔ تاریخ میں پہلی بار وہ انقلاب آیا جس کو عالمی کمیونکیشن (global communication) کہا جاتا ہے، وغیرہ۔

جدید تہذیب کی یہ تمام ترقیاں اسلام کے عین موافق تھیں۔ انھوں نے دینِ خداوندی کی اشاعت کے ایسے دروازے کھول دئے جو اِس سے پہلے کبھی نہیں کھلے تھے۔ جدید تہذیب نے اِس کو ممکن بنایا کہ اسلام کی حقیقتوں کو علمِ انسان کی اعلیٰ سطح پر ثابت شدہ بنایا جا سکے۔ اِن نئی دریافتوں کی بنا پر یہ ممکن ہوا کہ انسان اعلیٰ سطح کی معرفت کا تجربہ کر سکے۔ اِسی کے ذریعے یہ ممکن ہوا کہ اللہ کے پیغام کی اشاعت کا کام کسی رکاوٹ کے بغیر عالمی سطح پر انجام دیا جا سکے۔ اِسی جدید تہذیب کی بنا پر تاریخ میں پہلی بار یہ ممکن ہوا کہ عالمی سطح پر ایک دعوہ ایمپائر (Dawah empire) قائم کیا جا سکے، وغیرہ۔

یہ سب کچھ جو دورِ جدید میں ہوا، وہ اللہ کے تخلیقی منصوبہ (creation plan) کے مطابق ہوا۔

وہ منصوبہ یہ ہے کہ انسان کی آزادی کو ہر حال میں باقی رکھا جائے۔ جو کام بھی کیا جائے، وہ انسان کی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے کیا جائے۔ خدا کے اِسی تخلیقی منصوبے کی بنا پر ایسا ہوا کہ تہذیبی ترقیوں کے ساتھ انسان کے لیے یہ موقع باقی رہا کہ وہ اپنی آزادی کا غلط استعمال کرے، خواہ اس کے نتیجے میں فساد کی صورتیں پیدا ہوجائیں۔ یہ دوطرفہ صورتِ حال موجودہ زمانے کے مسلمانوں کی بصیرت کا امتحان تھی۔ یہاں ضرورت تھی کہ مسلمانوں کے رہنما اُس صلاحیت کا ثبوت دیں جس کو خدا کی کتاب میں فرقان (9:29) کہا گیا ہے، یعنی ایک چیز کو دوسری چیز سے الگ کرکے دیکھنا۔

اِس موقع پر مسلم رہنماؤں کو یہ کرنا تھا کہ وہ مغربی تہذیب اور اہلِ مغرب کی قومی سیاست دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کرکے دیکھیں۔ مغربی تہذیب، اپنی حقیقت کے اعتبار سے، مغربی تہذیب نہیں ہے، بلکہ وہ خدائی تہذیب (divine civilization) ہے۔ وہ فطرت میں چھپے ہوئے خدائی قوانین کی دریافت کے ذریعے وجود میں آئی ہے۔ وہ قوانینِ فطرت کا انسانی سطح پر ظہور ہے۔ فطرت کے قوانین جب انسانی ٹکنالوجی میں ڈھل جائیں تو اسی کا نام تہذیب ہوتا ہے۔ جدید تہذیب کو سمجھنے کے لیے اُسی طرح اس کو مغرب کے قومی پہلو سے الگ کرکے دیکھنا چاہئے، جس طرح اسلام کو مسلمانوں کے قومی پہلو سے الگ کرکے دیکھا جاتا ہے۔

دورِ جدید کے مسلم رہنما اگر اِس بصیرت کے حامل ہوتے کہ وہ جدید تہذیب اور مغربی قوم، دونوں کو ایک دوسرے سے الگ کرکے دیکھتے تو یقیناً وہ پالیتے کہ جدید تہذیب اُن کے لیے ایک خدائی نعمت ہے، وہ حضرت یوسف کے 'احسن القصص' کا عالمی اظہار ہے، وہ حضرت ابراہیم کے جاری کردہ عمل (process) کا براہِ راست حصہ ہے، وہ پیغمبر اور اصحابِ پیغمبر کے ذریعے لائے جانے والے انقلاب کا تکمیلی مرحلہ ہے۔ جدید تہذیب کے ذریعے اللہ تعالی نے مسلمانوں کے لیے وہ عالمی مواقع آخری حد تک کھول دئے ہیں، جب کہ پیغمبر اسلام کی ایک پیشین گوئی کو واقعہ بنایا جاسکے۔ آپ کی اِس پیشین گوئی کو مختصر طور پر اِس طرح بیان کیا جاسکتا ہے — ادخال الكلمة في كل البيوت۔

اوپر کے صفحات میں تاریخ کا جو جائزہ پیش کیا گیا ہے، اس سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ وہ

خدائی منصوبہ کیا تھا جس کو قرآن میں امامتِ ابراہیم کہا گیا تھا اور جس کے بارے میں بائبل میں یہ الفاظ آئے تھے کہ — زمین کی سب قومیں اس کے وسیلے سے برکت پائیں گی۔

اِس خدائی اعلان کا مطلب یہ تھا کہ انسانی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے اللہ تاریخ میں ایک ایسا عمل (process) جاری کرے گا جو آخر کار اِس انجام تک پہنچے گا کہ انسانی زندگی میں سیاسی جبر کا فتنہ کامل طور پر ختم ہو جائے اور جمہوریت کے تحت ایک ایسا سیاسی نظام بنے گا جس میں دوبارہ زیادہ بڑے پیمانے پر اور عالمی سطح پر وہ حالت قائم ہو جائے گی جو حضرت یوسف کے زمانے میں قدیم مصر میں وقتی طور پر اور محدود طور پر قائم ہوئی تھی، یعنی سیاسی حکمراں کا اقتدار ''تخت'' تک محدود رہے گا۔ ''تخت'' کے سوا تمام غیر سیاسی شعبے مکمل طور پر آزاد ہو جائیں گے۔ ہر انسان کو یہ موقع ہوگا کہ وہ کامل معنوں میں مذہبی آزادی کی فضا میں جیے۔ وہ اپنے چوائس (choice) کے مطابق، جس مذہبی عقیدے کو چاہے، اختیار کرے، وہ عبادت کے جس طریقے کو چاہے، اس کے مطابق، عبادت کرے۔ مذہب کی تبلیغ واشاعت پر کسی بھی قسم کی کوئی رکاوٹ باقی نہ رہے، انسان کو مکمل معنوں میں مذہبی آزادی حاصل ہو، اِس واحد شرط کے سوا کوئی اور شرط اس کے لیے موجود نہ ہو کہ وہ دوسرے انسانوں کو کسی بھی قسم کی عملی جراحت (physical injury) نہیں پہنچائے گا۔ انسان کی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے یہی واحد ممکن ماڈل تھا جس کو اللہ کے منصوبے کے تحت بروئے کار لایا گیا۔

اِس مذہبی آزادی میں یہ بات بھی اپنے آپ شامل ہے کہ تمام مواقعِ کار جو سیکولر لوگوں کو حاصل ہوں گے، وہ سب کے سب مکمل طور پر اہلِ مذہب کو بھی حاصل ہوں گے۔ مواقع کے استعمال میں مذہبی انسان اور غیر مذہبی انسان کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا جائے گا۔

ایک مسئلے کی وضاحت

انسانی زندگی کی تشکیل کا جو نقشہ اوپر بیان کیا گیا ہے، بظاہر اس میں حکومت یا سیاسی اقتدار کا معاملہ شامل نہیں ہے، لیکن بالواسطہ طور پر وہ یقیناً اس میں شامل ہے۔ اِس فرق کا سبب یہ ہے کہ اگر

حکومت کے معاملے کو مذکورہ نقشہ میں شامل کیا جائے تو پورا خدائی منصوبہ تخلیق عملاً معطّل ہو کر رہ جائے گا۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دونوں شعبوں میں کوئی مثبت کام نہ ہو سکے گا، نہ عبادت اور دعوت کے شعبے میں اور نہ سیاست اور حکومت کے شعبے میں۔

اِس کا سبب یہ ہے کہ مذکورہ دونوں شعبوں کی حیثیت ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ عقیدہ اور عبادت اور دعوت کا معاملہ اُس میدان سے تعلق رکھتا ہے جہاں آدمی کے لیے یہ ممکن ہے کہ وہ پُرامن طور پر اپنی تمام سرگرمیوں کو کسی رکاوٹ کے بغیر جاری رکھ سکے۔ اِس کے برعکس، سیاست کا دائرہ ایک ایسا دائرہ ہے جہاں داخل ہوتے ہی فوراً دوسرے فریق سے نزاع پیدا ہوجاتی ہے۔ سیاست کے دائرے میں ہمیشہ کوئی فرد یا گروہ اتھارٹی کی پوزیشن میں ہوتا ہے، اِس لیے سیاست کے دائرے میں داخل ہونا عملاً پولٹکل اتھارٹی سے ٹکراؤ کے ہم معنی بن جاتا ہے۔ یہ ٹکراؤ اِس ماحول کو ختم کر دیتا ہے جب کہ ایک شخص عقیدہ اور عبادت اور دعوت کے میدان میں موجود مواقع کو استعمال (avail) کر سکے۔

خدا کے منصوبہ تخلیق میں اِس مسئلے کا حل یہ مقرر کیا گیا کہ سیاسی اقتدار کے شعبے کو عقیدہ سے وابستہ کرنے کے بجائے اس کو سماجی حالات (social conditions) سے وابستہ کر دیا جائے، یعنی کسی وقت سماج کے جو حالات ہوں اور انسانوں کے درمیان جس سیاسی ڈھانچے پر اتفاق ہوسکتا ہے، اس کو اختیار کر لیا جائے۔ یہ صورتِ حال جاری رہے گی، یہاں تک کہ سماج کے حالات بدل جائیں اور سیاسی ڈھانچے کے بارے میں کوئی دوسرا نقشہ لوگوں کے لیے قابل قبول بن جائے۔

اِس حکمت کو قرآن میں اِن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ (42:38) یعنی ان کا معاملہ اُن کے آپس کے مشورے کے تابع ہے۔ اِس آیت میں 'امر' سے مراد اقتدار کا معاملہ ہے۔ اِس آیت سے یہ اصول اخذ ہوتا ہے کہ سیاسی اقتدار کا معاملہ کسی مخصوص عقیدے کے تابع نہ ہو، بلکہ وہ لوگوں کی آزاد رائے کے تابع ہو۔ آج کل کی زبان میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ سیاسی ادارے کا معاملہ عوامی الیکشن کے تابع ہے۔ فری اینڈ فیر الیکشن (free and fair election) کے ذریعے جو لوگ منتخب ہوں گے، اُن کو حق ہوگا کہ وہ اُس وقت تک حکومت کا نظام چلائیں جب تک

لوگوں کی رائے بدل نہ جائے اور سماجی حالات کا یہ تقاضا ہو کہ اقتدار کی زمام کچھ دوسرے لوگوں کے حوالے کی جائے۔ یہی وہ حقیقت ہے جو ایک حدیثِ رسول میں اِن الفاظ میں بیان کی گئی ہے: کما تکونون ؛ کذلك یؤمر علیکم (البیهقي ، رقم الحدیث : 7391) یعنی جیسے تم ہوگے، ویسے تمھارے حکمراں ہوں گے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہ حکمراں کا تعین کسی مخصوص عقیدے کی بنیاد پر نہیں ہوگا، بلکہ اس کا تعین لوگوں کی رائے (vote) کے ذریعے کیا جائے گا۔

یہ ایک قسم کے سماجی بندوبست (social settlement) کا معاملہ ہے۔ اِس کا فائدہ یہ ہے کہ زندگی کے دونوں شعبوں (سیاسی اور غیر سیاسی) میں امن کا قیام ممکن ہوجاتا ہے۔ عقیدہ اور عبادت اور دعوت کے میدان میں لوگوں کو موقع مل جاتا ہے کہ وہ پُرامن طور پر اپنی تمام سرگرمیوں کو جاری رکھیں، وہ اپنے حق میں مواقع کا بھرپور استعمال کریں۔ دوسری طرف، سماج کے ہر گروہ کو یہ موقع حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ سماج کے اندر اپنے افکار کی پرامن اشاعت کر سکے اور پھر اگلے الیکشن کے موقع پر، حسبِ حالات، وہ اپنی پرامن کوششوں کا فائدہ اٹھائے — انسانی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے سماجی بندوبست کا اِس سے بہتر کوئی نظام ممکن نہیں۔

خاتمہ کلام

جیسا کہ عرض کیا گیا، اللہ تعالی کا یہ منصوبہ تھا کہ انسانی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے تاریخ میں ایک ایسا عمل (process) جاری کیا جائے جس کے نتیجے میں سیاست کے جبری ماڈل (despotic model) کا خاتمہ ہوجائے اور اس کے بجائے سیاست کا جمہوری ماڈل (democratic model) عمومی طور پر رائج ہوجائے۔ اِس مطلوب ماڈل کا ایک ابتدائی نمونہ (prototype) حضرت یوسف کے ذریعہ قدیم مصر میں محدود طور پر قائم کیا گیا تھا۔ اِسی کے ساتھ حضرت ابراہیم کے ذریعے ایک وسیع تر عمل جاری کیا گیا جو مختلف مراحل سے گزرتے ہوئے اپنے منتہا تک پہنچا۔ انیسویں صدی اور بیسویں صدی مذکورہ ابراہیمی عمل کی تکمیل کی صدی ہے۔ اب ہم اکیسویں صدی میں ہیں اور یہ عمل اب اِس حد تک مکمل ہو چکا ہے کہ آج تمام مواقع دعوت الی اللہ کے حق میں پوری

طرح کھل چکے ہیں۔ اب ہر اعتبار سے، وہ وسائل اور مواقع حاصل ہو چکے ہیں، جب کہ کسی رکاوٹ کے بغیر فکری سطح پر اللہ کے دین کا عالمی اظہار اپنی مطلوب صورت میں کیا جا سکے۔

مگر اسلام کی تاریخ کا شاید یہ سب سے بڑا المیہ ہے کہ اِس دور میں جو بڑے بڑے مسلم ذہن پیدا ہوئے، وہ اِس واقعے سے بالکل بے خبر رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اِس دور میں پیدا شدہ عظیم مواقع کو استعمال بھی نہ کر سکے۔ اِس المیہ کا سبب بنیادی طور پر صرف ایک تھا، اور وہ ایک اتفاقی مطابقت (coincidence) ہے۔ اِس اتفاقی مطابقت کا یہ نتیجہ تھا کہ تاریخ کا عظیم ترین امکان غیر استعمال شدہ امکان (unavailed opportunity) بن کر رہ گیا۔

اِس کی تفصیل یہ ہے کہ جب مذکورہ ابراہیمی عمل کی تکمیل ہوئی تو یہ اٹھارھویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے آغاز کا زمانہ تھا۔ عین اُس زمانے میں ایک حادثہ پیش آ گیا۔ وہ حادثہ یہ تھا کہ اِسی زمانے میں مغربی قوموں نے بڑی بڑی مسلم سلطنتوں کو توڑ دیا اور پوری مسلم دنیا میں اپنا سیاسی اور تہذیبی دبدبہ قائم کر لیا۔ یہ حادثہ مسلمانوں کی قومی نفسیات کے لیے ایک ایٹمی دھماکے سے بھی زیادہ بڑے دھماکے کی حیثیت رکھتا تھا۔ چناں چہ اِس دور کے تمام مسلمان، غالباً کسی استثنا کے بغیر، شدید طور پر منفی ردعمل کا شکار ہو گئے۔ وہ مغربی قوموں سے نفرت کرنے لگے۔ انھوں نے مغربی قوموں کے خلاف فکری یا عملی جنگ چھیڑ دی۔ یہ ردعمل اتنا شدید تھا کہ مغربی قوموں کو نقصان پہنچانے کے لیے وہ خودکش بم باری (suicide bombing) کو بھی اپنے لیے جائز سمجھنے لگے۔

انیسویں صدی اور بیسویں صدی میں پیدا ہونے والا مسلم لٹریچر، تقریباً سب کا سب، اِسی نفرت کی نفسیات سے بھرا ہوا ہے۔ اِس لٹریچر کے مطابق، موجودہ زمانے کے مسلمانوں کا جو ذہن بنا، وہ یہ تھا گویا کہ ساری مغربی دنیا صرف ایک کام میں مشغول ہے — مسلمانوں کے خلاف سازش اور دشمنی۔ اِس معاملے کی ایک علامتی مثال ایک عرب عالم کی کتاب ہے، جس کا ٹائٹل یہ ہے:

أجنحة المكر الثلاثة وخوافيها: التبشير، الإستشراق، الإستعمار (صفحات: 776)

عبدالرحمن حسن حبنكة الميداني (دار القلم، دمشق: 2000)

اجتماعی توبہ کی ضرورت

یہ صورتِ حال بلاشبہہ توبہ کی متقاضی ہے، یعنی منفی سوچ کو ترک کرکے مثبت سوچ کی طرف واپس جانا۔ اب تمام مسلمانوں کے لیے اُس عمل کا وقت آ گیا ہے جس کا حکم قرآن میں اِن الفاظ میں دیا گیا تھا: وَتُوبُوٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيعًا اَيُّهَا الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (24:31) یعنی اے ایمان والو، تم سب مل کر اللہ سے توبہ کرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔

قرآن کی اِس آیت میں جس چیز کا حکم دیا گیا ہے، اس سے مراد اجتماعی توبہ (collective repentance) ہے۔ موجودہ صورتِ حال یہ ہے کہ مذکورہ قسم کا منفی ذہن تمام مسلمانوں کا قومی ذہن بن گیا ہے۔ مسلمانوں کی تمام قومی پالیسیاں اِسی منفی ذہن کے مطابق بنتی ہیں۔ اِس معاملے میں مسلمان اتنا زیادہ متحد الخیال ہیں جیسے کہ اِس معاملے میں تمام مسلمانوں کا اجماع (consensus) ہو گیا ہو۔ اِس وقت سب سے پہلا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کے اِس عمومی قومی ذہن کو بدلا جائے۔ یہی موجودہ مسلمانوں کی اصلاح کا نقطہ آغاز ہے۔ اِس ذہن کے باقی رہتے ہوئے مسلمانوں کے درمیان کوئی بھی نتیجہ خیز اصلاحی کام نہیں کیا جا سکتا۔

صدر اسلامی مرکز کے آڈیو اور ویڈیو لیکچرز کے لیے حسب ذیل لنکس ملاحظہ ہوں:

www.cpsglobal.org/videos.

www.alquranmission.org/podcasts.aspx.

قرآن کی عمومی اشاعت میں حصہ لینے کے لیے تفصیلات درج ذیل ہیں:

1. Fill the form at: www.alquranmission.org/QuranDistributor.aspx

Or

2. Send us a postcard with your Al Risala Numbe, Name, Complete Postal Address, Mobile number, Email id and the Area in which you would like to spread the Quran to the following address:

Al-Quran Mission
1, Nizamuddin West Market
New Delhi-110013

مکمل نظام، مکمل آئڈیالوجی

کہا جاتا ہے کہ اسلام ایک مکمل نظام (complete system) ہے، مگر یہ اصل واقعے کی صحیح تعبیر نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ اسلام ایک مکمل نظریہ (complete ideology) ہے۔ قرآن اور حدیث میں اسلام کی جو تبیین ملتی ہے، اُس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام ایک مکمل آئڈیالوجی ہے۔ مکمل نظام کا تصور قرآن اور حدیث میں سرے سے اجنبی ہے۔

دنیا میں ہم جن چیزوں سے واقف ہیں، وہ دو قسم کی ہوتی ہیں — ایک، وہ چیزیں جو مکان کی مانند ہیں۔ دوسری، وہ جو درخت کی مانند ہیں۔ مکمل کا لفظ مکان کے لیے بولنا درست ہے۔ جب کسی تعمیر کو مکمل مکان کہا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس کے اندر مکان کے تمام اجزا پائے جاتے ہیں، اس کے اندر انسان کی تمام ضرورتوں کا انتظام موجود ہے۔ درخت کا معاملہ اِس کے بالکل برعکس ہے۔ بظاہر درخت میں مختلف اور متنوع اجزا ہوتے ہیں۔ مثلاً تنا اور شاخ اور پتے، وغیرہ۔ درخت کے ظاہرہ کی صحیح تعبیر یہ ہے کہ درخت کی ایک اصل ہے اور بقیہ اس کی تفصیل۔ درخت کی اصل اس کا بیج ہے۔ جہاں بیج ہوگا، وہاں درخت ہوگا۔ اگر بیج نہ ہو اور تنا اور شاخ اور پتے کو جمع کر دیا جائے گا تو اس سے کوئی درخت وجود میں آنے والا نہیں۔ قرآن اور حدیث کا مطالعہ بتاتا ہے کہ دین کی اصل تقوی ہے، یعنی اللہ کو اپنے واحد کنسرن (sole-concern) کے طور پر دریافت کرنا، اللہ کو اِس طرح دریافت کرنا کہ وہی آدمی کے لیے اس کے خوف اور محبت کا مرکز بن جائے۔ تقوی ہوگا تو اسلام ہوگا اور اگر تقوی نہ ہو تو اسلام بھی نہ ہوگا، نہ ناقص اور نہ مکمل۔ اِس لیے قرآن میں کلمہ ایمان کی مثال شجرہ (tree) سے دی گئی ہے (14:24)۔ درخت کی مانند دین میں بھی بظاہر مختلف اجزا ہوتے ہیں، لیکن درخت کی طرح دین کی بھی ایک اصل ہے اور بقیہ اس کی تفصیل۔ جہاں اصل کا وجود ہوگا، وہاں حسب حالات تفصیل کا بھی یقینی وجود ہوگا۔ ایسی حالت میں افراد کے اندر دینی زندگی پیدا کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ داعی کا سارا فوکس اصل پر ہو، نہ کہ تفصیلات پر۔

خدا اور پیغمبر

پاکستان کے قدرت اللہ شہاب (وفات: 1986) نے اپنی ضخیم کتاب ''شہاب نامہ'' میں اپنے زمانہ طالب علمی کا ایک تجربہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

''آبادی سے دور ایک مخبوط الحواس، مجنون صفت، مجذوب نما شخص ویرانے میں بیٹھا رہتا تھا۔ اور ہمہ وقت اِلّا اللہ، اِلّا اللہ کی ضربیں لگاتا رہتا تھا۔ میں اور میرا ایک ہم عمر ہندو دوست اکثر اس کے پاس جا کر اس کا منھ چڑایا کرتے اور اس کے ذکر کی نقلیں اتارا کرتے تھے۔ میرا ہندو دوست اِلّا اللہ کے وزن پر مہمل، مضحکہ خیز اور کبھی کبھی فحش قافیے جوڑ کر مذاق بھی اڑایا کرتا تھا۔ مجذوب نے ہمیں بار بار ڈانٹا کہ ہم اللہ کے نام کی بے حرمتی نہ کریں، لیکن ہم باز نہ آئے۔ ایک روز ہم دونوں اِسی مشغلے میں مصروف تھے کہ ایک شخص اُدھر سے چند نعتیہ اشعار الاپتا ہوا گزرا، جس کا ایک مصرعہ یہ تھا:

محمدؐ نہ ہوتے، تو دنیا نہ ہوتی

یہ مصرع سن کر میرا ہندو دوست زور زور سے ہنسنے لگا۔ اور اس نے اسمِ محمدؐ کی شان میں کچھ گستاخیاں بھی کیں۔ میں نے آؤ دیکھا نہ تاؤ، لپک کر ایک پتھر اٹھایا، اور اسے گھما کر ہندو لڑکے کے منہ پر ایسے زور سے دے مارا کہ اس کا سامنے کا آدھا دانت ٹوٹ گیا۔

لاشعور کی وہ کون سی لہر تھی جو اللہ کے ساتھ مذاق پر تو خاموش رہتی تھی، لیکن رسول اللہ کے ساتھ گستاخی پر آناً فاناً جوش میں آ گئی تھی؟ کوئی شخص رسول خدا کے متعلق بدزبانی کرے تو اکثر لوگ آپے سے باہر ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ تو مرنے مارنے کی بازی تک لگا بیٹھتے ہیں۔ اس میں اچھے، نیم اچھے یا برے مسلمان کی بالکل کوئی تخصیص نہیں، بلکہ تجربہ تو یہی شاہد ہے کہ جن لوگوں نے ناموسِ رسول پر اپنی جانِ عزیز کو قربان کر دیا، ظاہری طور پر نہ تو وہ علم و فضل میں نمایاں تھے اور نہ زہد و تقوی میں ممتاز تھے۔

ایک عامی مسلمان کا شعور اور لاشعور جس شدت اور دیوانگی کے ساتھ شانِ رسالت کے حق میں مضطرب ہوتا ہے، اس کی بنیاد عقیدے سے زیادہ عقیدت پر مبنی ہے۔ خواص میں یہ عقیدت ایک جذبہ اور عوام میں ایک جنون کی صورت میں نمودار ہوتی ہے''۔
(شہاب نامہ، لاہور، 1988، صفحہ 17۔16)

قدرت اللہ شہاب نے جو بات کہی ہے، وہ بلاشبہہ ایک واقعہ ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تمام مسلمان، غالباً کسی استثنا کے بغیر، اِسی نفسیات کا شکار ہیں۔ خدا کی بے حرمتی ہو تو مسلمانوں کے جذبات نہیں بھڑکتے، لیکن رسول کی بے حرمتی ہو تو تمام مسلمان شدید طور پر بھڑک اٹھتے ہیں۔ فتوے اور بیانات سے لے کر عوامی مظاہرے تک وہ سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ اِس معاملے میں ان کی جذباتیت کا یہ حال ہوتا ہے کہ وہ تشدد اور توڑ پھوڑ تک کو اپنے لیے جائز سمجھ لیتے ہیں۔ اِس معاملے کی مثالیں بار بار میڈیا میں آتی رہتی ہیں۔ اِس کی ایک مثال وہ ہے جو ماہ نامہ الرسالہ (دسمبر 2012، صفحہ 25) میں دیکھی جا سکتی ہے۔

خدا اور رسول کے درمیان اِس فرق کا سبب کیا ہے۔ اِس کے سبب کی تحقیق کیجئے تو اِس کے پیچھے مسلمانوں کی ایک ایسی کمزوری کی دریافت ہوتی ہے جو صرف ایک کمزوری نہیں، بلکہ وہ یقینی طور پر ایک سنگین جرم کی حیثیت رکھتی ہے۔

خدا کا عقیدہ

خدا کے خلاف لکھنے اور بولنے والے پہلے بھی دنیا میں پائے جاتے تھے، لیکن موجودہ زمانے میں ایسے لوگوں کی تعداد ہزاروں گنا زیادہ بڑھ گئی ہے۔ فریڈرک نٹشے (Friedrich Nietzsche) مشہور جرمن فلسفی ہے۔ 56 سال کی عمر میں 1900 میں اس کی وفات ہوئی۔ جدید فلسفے میں اس کا بہت بڑا درجہ مانا جاتا ہے۔ نٹشے نے کھلے طور پر کہا تھا کہ — خدا مر چکا ہے:

God is dead. (EB. 13/79)

البرٹ آئن سٹائن (Albert Einstein) دورِ جدید کا مشہور ترین جرمن سائنس داں ہے۔

76 سال کی عمر میں 1955 میں اس کی وفات ہوئی۔ خدا کے بارے میں آئن سٹائن کے خیالات کیا تھے، اس کا اظہار آئن سٹائن کے ایک مطبوعہ خط سے ہوتا ہے۔ یہ خط اس نے 3 جنوری 1954 کو اپنی ہینڈ رائٹنگ میں جرمن زبان میں ایک یہودی فلاسفر ایرک بی گٹ کائنڈ (Eric B. Gutkind) کے نام لکھا تھا۔ اِس خط میں اس نے لکھا تھا کہ — خدا کا لفظ میرے نزدیک اِس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ وہ صرف انسانی کمزوریوں کا ایک اظہار ہے:

The word God is for me nothing more than the expression of human weaknesses.

موجودہ زمانے میں خدا کے عقیدے کے خلاف جو کتابیں لکھی گئی ہیں اور جو مقالات شائع ہوئے ہیں، ان کی تعداد ہزاروں سے بھی زیادہ ہے۔ اِس نوعیت کی چند کتابوں کے نام یہ ہیں:

God: The Failed Hypothesis, by Victor Stenger, 2007

Society without God, by Phil Zuckerman, 2008

God is not Great, by Christopher Hitchens, 2009

انٹرنیٹ پر اِس نوعیت کی کئی مستقل ویب سائٹس ہیں۔ مثلاً:

God is Imaginary, God Does not Exist

اِس سے بڑھ کر یہ کہ موجودہ زمانے کا سب سے بڑا علمی موضوع سائنس ہے۔ سائنس کو موجودہ زمانے کا سب سے زیادہ طاقت ور علمی موضوع سمجھا جاتا ہے۔ مگر حال یہ ہے کہ سائنس کے تمام شعبوں سے خدا کو مکمل طور پر خارج کر دیا گیا ہے۔ سائنس بظاہر تخلیق (creation) کے مطالعے کا نام ہے، مگر سائنس کی تمام شاخوں میں خالق (Creator) کو پوری طرح حذف کر دیا گیا ہے۔ اِس کی آخری حد یہ ہے کہ خود سائنس کے مطالعے سے موجودہ زمانے میں یہ معلوم ہوا ہے کہ کائنات میں واضح طور پر ایک ذہین ڈیزائنر (intelligent designer) پایا جاتا ہے۔ یہ دریافت اپنے آپ میں ثابت کرتی ہے کہ یقینی طور پر کائنات کے پیچھے ایک ذہین ڈیزائنر موجود ہے۔ اِس کے باوجود سائنٹفک کمیونٹی (scientific community) خدا کے وجود کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔

خدا اور مسلمان

یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ زمانہ علم اور کلچر دونوں اعتبار سے، ایک خدا ناشناس زمانہ ہے۔ موجودہ زمانے کے تعلیم یافتہ طبقے کا کیس صرف یہ نہیں ہے کہ وہ خدا کے وجود پر یقین نہیں رکھتا، بلکہ وہ کھلے طور پر خدا کے عقیدے کا استہزا کرتا ہے۔ وہ کھلے طور پر اُس مذموم روش میں مبتلا ہے جس کو بیان کرنے کے لیے ''خدا کی شان میں گستاخی'' کا لفظ بھی ہلکا ہے۔ اس کو بیان کرنے کے لیے کوئی شدید تر لفظ وضع کرنا پڑے گا۔ یہ سب کچھ کسی ایک مقام پر نہیں، بلکہ ساری دنیا میں ہو رہا ہے۔ موجودہ زمانے کی لائبریریوں میں ایسی کتابیں کثرت سے موجود ہیں جو خدا کے بارے میں اُس سے بھی زیادہ قابلِ اعتراض ہیں جس کی مثال سلمان رشدی کی کتاب سیٹنک ورسیس (*The Satanic Verses*) میں پائی جاتی ہے۔ اِس کے باوجود کیوں ایسا ہے کہ اِس سے کم تر درجے کے کیس میں مسلمانوں کی حمیتِ رسول آخری حد تک بھڑک اٹھتی ہے، جب کہ خدا کے معاملے میں ان کی حمیت نہیں بھڑکتی۔

مثال کے طور پر ستمبر۔نومبر 2012 میں دنیا کے مختلف حصوں میں مسلمانوں نے بڑے پیمانے پر امریکی فلم (*Innocence of Muslims*) کے خلاف احتجاج (protest) کیا۔ یہ احتجاج مصر سے لے کر آسٹریلیا تک، بہت سے شہروں میں کیا گیا۔ اِس میں ہر جگہ مسلمانوں کی بڑی تعداد شریک ہوئی۔ کئی جگہ اِس احتجاج نے تشدد اور توڑ پھوڑ کی صورت اختیار کر لی۔ میڈیا کی رپورٹ کے مطابق، اِس احتجاج میں تقریباً 80 لوگ مارے گئے اور ایک سو سے زیادہ لوگ زخمی ہوئے۔ اِس درمیان پراپرٹی کا جو نقصان ہوا، وہ اس کے علاوہ ہے۔

نفسیاتی تجزیہ

یہ کوئی سادہ معاملہ نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اِس کے پیچھے مسلمانوں کی ایک مجرمانہ نفسیات پائی جاتی ہے۔ یہ وہی نفسیات ہے جو مشرکین کے بارے میں قرآن میں اِن الفاظ میں بیان کی گئی ہے: وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى

شُرَكَآؤُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ (6:136) یعنی خدا نے جو کھیتی اور چوپائے پیدا کیے ہیں، اُس میں سے اُنھوں نے خدا کا کچھ حصہ مقرر کیا ہے۔ پس، اپنے گمان کے مطابق، وہ کہتے ہیں کہ یہ حصہ اللہ کا ہے اور یہ حصہ ہمارے شریکوں کا۔ پھر جو حصہ اُن کے شریکوں کا ہوتا ہے، وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا اور جو حصہ اللہ کے لیے ہے، وہ اُن کے شریکوں کو پہنچ جاتا ہے۔ کیسا برا فیصلہ ہے جو یہ لوگ کرتے ہیں۔

لوگ اللہ اور اپنے شرکا کے درمیان جو تفریق کرتے تھے، وہ کوئی سادہ بات نہ تھی۔ اِس کا سبب دراصل اُن کے غلط مفروضات تھے۔ انھوں نے بطور خود یہ عقیدہ بنا رکھا تھا کہ اُن کو دنیا میں جو کچھ ملتا ہے، وہ ان کے شرکا کی برکت سے ملتا ہے۔ اِس خود ساختہ عقیدے کی بنا پر وہ سمجھتے تھے کہ اصل مسئلہ شرکا کو خوش رکھنے کا ہے۔ اگر شرکا خوش رہیں گے تو ان کے سارے معاملات درست رہیں گے۔ اِس عقیدے کی بنا پر وہ شرکا کے حصے کو تو پورا کر دیتے تھے اور خدا کا حصہ کم کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔

ٹھیک یہی معاملہ مسلمانوں کا ایک اور اعتبار سے ہے۔ صحابہ اور تابعین کے بعد مسلمانوں میں جو ذہن بنا، اُس ذہن کے تحت مسلمانوں نے خود ساختہ طور پر یہ کیا کہ انھوں نے اپنے پیغمبر کو سب سے بڑا درجہ دے دیا۔ انھوں نے اپنے پیغمبر کا درجہ اتنا بڑھایا کہ خدا اُن کے لیے عملاً صرف ایک رسمی عقیدہ بن کر رہ گیا۔ اِس کی ایک مثال یہ ہے کہ دورِ تصنیف میں مسلمانوں کے لکھنے والوں نے پیغمبر کی عظمت پر ہزاروں کتابیں لکھیں، لیکن وہ اللہ کی عظمت پر کوئی قابلِ ذکر کتاب نہ لکھ سکے۔

بعد کے زمانے میں یہ ہوا کہ مسلمانوں کے پاس جتنے بڑے بڑے القاب تھے، وہ سب انھوں نے اپنے پیغمبر کو دے دیے۔ مثلاً سرورِ عالم، شہنشاہِ کونین، تاج دارِ دو عالم، سید الکونین، وغیرہ۔ اِس قسم کے بڑے بڑے القاب جب پیغمبر کو دے دئے جائیں تو اس کے بعد انسانی الفاظ میں، اللہ کو دینے کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا۔ اِس بنا پر ایسا ہوا کہ اللہ کا تصور ایک باعظمت تصور کی حیثیت سے شعوری طور پر مسلمانوں کے ذہن میں باقی نہیں رہا۔ یہی وہ ذہن ہے جس کی نمائندگی ایک مسلم شاعر نے اِن الفاظ میں کی ہے:

اللہ کے پلّے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے، لے لیں گے محمد سے

اپنے پیغمبر کے بارے میں بعد کے زمانے میں مسلمانوں کے اندر جو ذہن بنا، اس کا ایک سیاسی پس منظر تھا۔ اصل یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استثنائی طور پر یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک عظیم تاریخ آپ کے نام کے ساتھ وابستہ ہوگئی۔ آپ کے زمانے میں اور آپ کے اصحاب کے زمانے میں ایک بڑا سیاسی انقلاب پیش آیا۔ اِس سے پہلے کسی پیغمبر کے زمانے میں اِس قسم کا سیاسی انقلاب پیش نہیں آیا تھا۔ پیغمبر اسلام نے 610 عیسوی میں مکہ میں اپنا موحدانہ مشن شروع کیا، جب کہ اُس وقت آپ ایک فردِ واحد کی حیثیت رکھتے تھے، مگر 23 سال کے بعد جب 632 عیسوی میں آپ کی وفات ہوئی تو پورا عرب آپ کے دین کا پیرو بن چکا تھا۔ اُس کے بعد آپ کے اصحاب نے آپ کے مشن کو جاری رکھا، یہاں تک کہ اگلے 25 سال کے دوران عرب کے اطراف کے بیش تر ممالک میں آپ کے پیروؤں کا اقتدار قائم ہوگیا۔ ساسانی ایمپائر اور بازنطینی ایمپائر کا خاتمہ ہوگیا۔ آپ کی بعثت کے 100 سال کے اندر یہ ہوا کہ آپ کے ماننے والوں نے ایک عظیم مسلم ایمپائر قائم کرلیا، جس کا دبدبہ کم وبیش ہزار سال تک باقی رہا۔

یہ سیاسی انقلاب اتنا زیادہ واضح تھا کہ سیکولر مورخین نے بھی کھلے طور پر اس کا اعتراف کیا ہے۔ مثال کے طور پر ایک امریکی مصنف جان ڈرنک واٹر (وفات: 1937) نے اپنی ایک کتاب میں پیغمبر اسلام کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ — وہ عالمی تاریخ میں ایک انتہائی ممتاز انسان کی حیثیت رکھتے ہیں:

One of the most remarkable men in history of the world. (*The Outline of Literature* by John Drinkwater, 1923)

انڈیا کے ایک مشہور اسکالر ایم این رائے (وفات: 1954) نے پیغمبر اسلام اور آپ کے بعد بننے والی تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ — محمد کا اِس حیثیت سے اعتراف کرنا چاہیے کہ وہ تمام پیغمبروں میں سب سے بڑے پیغمبر تھے۔ اسلام کی توسیع تمام معجزات میں سب سے بڑا معجزہ ہے:

Muhammad must be recognised as by far the greatest of all prophets. The expansion of Islam is the most miraculous of all miracles. (*The Historical Role of Islam,* by M. N. Roy, 1939, p. 4)

امریکی مصنف ڈاکٹر مائکل ہارٹ نے ایک کتاب شائع کی ہے۔ اس میں انھوں نے انسانی تاریخ کے ایک سو ایسے افراد کا ذکر کیا ہے جنھوں نے تاریخ میں سب سے زیادہ کامیابی حاصل کی۔ اِس فہرست میں انھوں نے پیغمبر اسلام کو نمبر ایک پر رکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ — آپ تاریخ کے تنہا شخص ہیں جو انتہائی حد تک کامیاب رہے۔ مذہبی سطح پر بھی اور سیکولر سطح پر بھی:

Mohammad was the only man in history who was supremely successful on the religious and secular levels. (Dr. Michael H. Hart, *The 100,* 1978)

اِسی طرح، ایک امریکی اسکالر چارلس اساوی (وفات: 2000) نے اپنی ایک کتاب میں پیغمبر اسلام کا اعتراف اِن الفاظ میں کیا ہے — یہ کہنا مبالغہ نہیں ہے کہ اگر کوئی ایک شخص ایسا ہے جس نے تاریخ کے دھارے کو بدل دیا، تو وہ شخص محمد تھے:

It does not seem too much to say that if any one man changed the course of history, that man was Muhammad. (*Muhammad's Historical Role,* by Charles Issawi, 1950, p. 95)

اِس طرح کے بہت سے سیکولر مصنفین اور غیر مسلم محققین ہیں جنھوں نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ نہایت شان دار الفاظ میں کیا ہے۔ پیغمبر اسلام کے مشن کے ذریعے تاریخ میں جو انقلابی دور آیا، وہ اتنا عظیم تھا کہ تمام اہلِ علم نے اس کا اعتراف کیا، خواہ وہ سیکولر اہلِ علم ہوں یا مذہبی اہلِ علم۔ انھوں نے کثرت سے اِس موضوع پر کتابیں لکھیں اور مقالات شائع کیے۔ مذکورہ چند اقتباسات اِس معاملے کی وضاحت کے لیے کافی ہیں۔

خدا کا حصہ پیغمبر کو دینا

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کے تحت جو عظیم تاریخ بنی، وہ تمام تر منصوبہ الٰہی کے تحت بنی۔ پیغمبر اسلام سے پہلے ہزاروں سال کے درمیان خدا کی طرف سے بہت سے پیغمبر آئے۔ اِن پیغمبروں کے زمانے میں توحید کا اعلان تو ہوا، لیکن توحید کی بنیاد پر کوئی اجتماعی انقلاب نہ آسکا، جب کہ

اللہ تعالیٰ کو مطلوب تھا کہ پیغمبر کے ذریعے ایک ایسا موحدانہ انقلاب برپا ہو جو شرک کے دور کو ختم کرے اور توحید کا دور دنیا میں لے کر آئے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ کی یہ منشا ہوئی کہ وہ تاریخ میں مداخلت کرے اور خصوصی نصرت کے ذریعے وہ انقلاب برپا کرے جو کہ اللہ کے تخلیقی منصوبے کے تحت ضروری تھا۔ اللہ تعالیٰ کے عام منصوبے کے مطابق، اِس منصوبے کی تکمیل اسباب کی صورت میں کی گئی۔ خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم اِس انقلاب کی بنیادی کڑی تھے۔

اللہ تعالیٰ کے اِس خصوصی منصوبے کا آغاز چار ہزار سال پہلے حضرت ہاجرہ، حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل کے ذریعے عرب کے صحرا میں ہوا۔ اِس منصوبے کے تحت لمبی مدت کے دوران ایک خصوصی نسل تیار کی گئی جس کو بنو اسماعیل کہا جاتا ہے۔ اِس نسل کی اعلیٰ خصوصیات کی بنا پر ایک مستشرق نے اس کو ہیروؤں کی ایک قوم (a nation of heroes) کا لقب دیا ہے۔ اِسی خصوصی نسل میں پیغمبر اسلام اور آپ کے اصحاب پیدا ہوئے۔ اِس کے بعد اللہ کی برتر تدبیر کے تحت بہت سے موافق حالات ظہور میں آئے۔ یہ اپنے آغاز سے انجام تک، ایک انتہائی اعلیٰ نوعیت کا خدائی منصوبہ تھا۔ پیغمبر اسلام اور آپ کے اصحاب کے ذریعے جو عظیم اسلامی تاریخ بنی، وہ دراصل اِسی منصوبہ الٰہی کا نتیجہ تھی۔

قرآن میں اِس حقیقت کو نہایت واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے کہ پیغمبر اور اصحاب پیغمبر کے زمانے میں جو تاریخی انقلاب آیا، وہ کسی فرد کا شخصی کارنامہ نہ تھا، بلکہ وہ براہِ راست طور پر اللہ کے ایک برتر منصوبے کا نتیجہ تھا۔ اِس سلسلے میں قرآن کی دو آیتیں یہ ہیں: يُرِيْدُوْنَ لِيُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ -هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (61:8-9) یعنی یہ لوگ چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کے نور کو اپنے منہ سے بجھا دیں، حالاں کہ اللہ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا، خواہ یہ منکروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ وہ اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا، تاکہ اللہ اس کو سب دینوں پر غالب کر دے، خواہ یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اِس حقیقت کو بار بار نہایت واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔

اِس کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ کے مشن کے آغاز کے تقریباً 20 سال بعد مکہ فتح ہوا، جو کہ اُس وقت پورے عرب میں ہر اعتبار سے مرکز کی حیثیت رکھتا تھا۔ روایات میں آتا ہے کہ فتح مکہ کے وقت جب آپ فاتحانہ حیثیت سے مکہ میں داخل ہوئے تو احساسِ تواضع کے باعث آپ کی گردن جھکی ہوئی تھی، حتی کہ لوگوں نے دیکھا کہ آپ کی داڑھی کجاوے کی لکڑی کو چھو رہی ہے۔ اُس وقت کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ نے جو خطبہ دیا، اُس میں یہ الفاظ تھے: لا إله إلا الله وحده، صدق وعده، ونصر عبده، وهزم الأحزاب وحده (سنن أبي داؤد، رقم الحديث: 4547) یعنی ایک اللہ کے سوا کوئی اللہ نہیں۔ اللہ نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا۔ اللہ نے اپنے بندے (محمد) کی نصرت کی اور اللہ نے دشمن کی جماعتوں کو تنہا شکست دے دی۔

حبِ شدید کا تعلق

قرآن میں بتایا گیا ہے کہ اہلِ ایمان کو حب شدید (2:165) کا تعلق صرف اللہ سے ہوتا ہے، کسی اور سے نہیں۔ حُبّ کا مطلب ہے: اسٹرانگ افکشن (strong affection)، یعنی شدید قلبی تعلق۔ بعد کے دور کے مسلمانوں کے ساتھ یہ حادثہ پیش آیا کہ جذباتی طور پر اُن کے لیے حب شدید کا مرکز اللہ کے بجائے پیغمبر بن گیا۔ اِس طرح اُن کے جذبات کا مرجع بدل گیا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اللہ کی اہانت پر مشتعل نہیں ہوتے، لیکن وہ اپنے پیغمبر کی اہانت پر سخت مشتعل ہو جاتے ہیں۔ بہ الفاظِ دیگر، انھوں نے مشرکین کے طریقے کو اختیار کرتے ہوئے یہ کیا کہ اللہ کے کارنامے کو اپنے پیغمبر کا کارنامہ سمجھ لیا، جو کچھ اللہ کے لیے تھا، اس کو انھوں نے اپنے پیغمبر کے حصے میں ڈال دیا۔

سیرت اور تاریخ کی کتابیں

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سیرت اور تاریخ پر جو کتابیں لکھی گئیں، وہ فخر کی نفسیات کے تحت لکھی گئیں۔ سیرتِ رسول کے موضوع پر لکھی جانے والی کتابوں کا عنوان غزواتِ رسول (مغازی) بن گیا، اور تاریخ اسلام پر لکھی جانے والی کتابوں کا عنوان شاہ نامہ اسلام اور فتوح البلدان قرار پایا۔ اِس بنا پر ایسا ہوا کہ سیرتِ رسول اور تاریخ اسلام کی کتابوں میں خدا کا عامل (divine factor) حذف ہو گیا۔

اسلام کی تاریخ عام طرز کی انسانی تاریخ بن گئی، وہ خدائی تاریخ نہ بن سکی۔ جب کہ اصل حقیقت کے اعتبار سے، سیرتِ رسول اور اسلامی تاریخ دونوں میں اللہ کا خصوصی منصوبہ کارفرما تھا۔

سیرت نگاری اور تاریخ نگاری کا یہی غیر واقعی طریقہ بعد کے زمانے کے مسلمانوں میں رائج ہوگیا۔ اُس کے نتیجے میں مسلمانوں کے اندر جو ذہن بنا، وہ شعوری یا غیر شعوری طور پر یہ تھا کہ انھوں نے تاریخ کی تمام عظمتوں کو اپنے پیغمبر کے خانے میں ڈال دیا، جو چیز اصلاً خدا کا حصہ تھی، وہ پیغمبر کا حصہ قرار پائی۔ اِس کے بعد مسلمانوں کے اندر جو نفسیات بنی، وہ فطری طور پر یہ تھی کہ اُن کو تمام بڑائی اپنے پیغمبر کی طرف دکھائی دینے لگی، مسلمانوں کے اپنے ذہن کے مطابق، اللہ کے حصے میں کچھ بھی باقی نہ رہا۔ (10 نومبر 2013)

پٹنہ (بہار) میں عصری اسلوب میں فکر انگیز کتابیں اور ماہ نامہ الرسالہ کے لیے رابطہ قائم کریں:

A. H. M. Danyal
(President, Centre for Peace)
Mahatwana, Phulwarisharif
Patna-601505, Bihar
Mob. 09308477841, 09852208744

چمپارن (بہار) میں عصری اسلوب میں فکر انگیز کتابیں اور ماہ نامہ الرسالہ کے لیے رابطہ قائم کریں:

Kitab Manzil
Jama Masjid, Main Road, Motihari
East Champaran-845401, Bihar
Mob. 09973360552

دعوتی مقصد کے لیے مشرقی یوپی، خاص طور پر لکھنؤ اور اطراف کے قارئین، حسب ذیل پتے پر رابطہ قائم کریں:

Hafiz Mohammad Salman Noori
Madrasa S. Umar Farooq
Rustam Nagar, Chawk, Lucknow-226 003
Mob. +91-9839801027
E-mail: msuflko@gmail.com

اپنے آپ کو پہچانیے

قدیم مدینہ میں ایک مشہور عالم ربیعہ بن فرّوخ التیمی (ربیعۃ الرأی) تھے۔ اُن کی وفات 136 ہجری میں ہوئی۔ اُن کا ایک قول یہ ہے: لا ينبغي لأحد عنده شيئ من العلم أن يضيّع نفسه (فتح الباري بشرح صحيح البخاري، كتاب العلم، باب رفع العلم) یعنی کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ اس کے پاس علم کا کوئی حصہ ہو اور وہ اپنے آپ کو ضائع کردے۔

ہر آدمی کے اندر پیدائشی طور پر کوئی خاص صلاحیت ہوتی ہے۔ یہی صلاحیت اس کو دوسرے لوگوں سے ممتاز بناتی ہے۔ آدمی کو چاہئے کہ وہ اپنی اِس خداداد صلاحیت کو پہچانے اور اس کو بھرپور طور پر استعمال کرے۔ اِسی میں انسان کی کامیابی کا راز بھی ہے اور اِسی میں انسان کی ناکامی کا راز بھی۔

اِس معاملے میں انسان کی ناکامی کا سبب کیا ہوتا ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اپنے حالات کے اعتبار سے، ہر آدمی کے اندر کسی چیز سے جذباتی لگاؤ (emotional attachment) پیدا ہوجاتا ہے۔ دھیرے دھیرے وہ اُس چیز سے اتنا زیادہ وابستہ ہوجاتا ہے کہ وہی آدمی کی طبیعتِ ثانیہ بن جاتا ہے— کسی آدمی کو تفریحی باتوں سے دلچسپی پیدا ہوجاتی ہے، کسی آدمی کو لذیذ کھانوں کا شوق ہوجاتا ہے، کوئی آدمی شہرت (fame) کا گرویدہ بن جاتا ہے، کوئی آدمی دولت کی حرص میں جینے لگتا ہے، کسی آدمی کو یہ بات مرغوب ہوجاتی ہے کہ اس کے اردگرد لوگوں کی بھیڑ دکھائی دے، کسی آدمی کی پسند یہ بن جاتی ہے کہ لوگ اس کی تعریف کرتے رہیں، کسی آدمی کے اوپر اس کی عادتیں غالب آجاتی ہیں اور وہ اُن عادتوں سے باہر نہیں آپاتا، وغیرہ۔

یہ سب غیر فطری جذبات ہیں۔ اِن میں سے کوئی بھی جذبہ اگر آدمی کے اوپر چھا جائے تو وہ اپنی خاص صلاحیت کو دریافت نہیں کرپائے گا۔ اور بالفرض اگر اُس کو اپنی خاص صلاحیت کا علم ہوجائے، تب بھی وہ ایسا نہیں کرپاتا کہ مضبوط ارادے کے تحت وہ اپنی عادتوں کو چھوڑ دے اور اپنے آپ کو اُس مقصد کے لیے استعمال کرے جس مقصد کے لیے خالق نے اس کو پیدا کیا ہے۔

حفاظت کا فارمولا

پونٹی چڈھا اور ہردیپ چڈھا دونوں سگے بھائی تھے۔ اُن کا بہت بڑا بزنس تھا۔ ان کا بزنس انڈیا کی کئی ریاستوں میں پھیلا ہوا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ وہ 6 ہزار کروڑ روپیے سے زیادہ کے مالک تھے۔ چھترپوری (نئی دہلی) میں اُن کا 13 ایکڑ رقبے میں پھیلا ہوا فارم ہاؤس ہے۔

اِس فارم ہاؤس میں 17 نومبر 2012 کو دونوں بھائیوں کی میٹنگ ہوئی۔ اِس میٹنگ کا مقصد پراپرٹی کی تقسیم تھا، مگر دونوں کے درمیان تقسیم کے معاملے میں اختلاف ہوگیا۔ یہ اختلاف اتنا زیادہ بڑھا کہ میٹنگ کے دوران دونوں نے ایک دوسرے پر ریوالور کے ذریعے گولیاں چلائیں، یہاں تک کہ اسی موقع پر دونوں بھائیوں کی موت ہوگئی۔

ٹائمس آف انڈیا (نئی دہلی) کے شمارہ 18 نومبر 2012 کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ چڈھا برادران کا ریاستی حکومتوں پر اتنا اثر تھا کہ قانونی ضوابط اِس طرح بنائے جاتے تھے جو کہ اُن کے موافق ہوں:

Rules were tailor-made for Chadha Brothers. (p.2)

مگر دولت کی کثرت اور اثر ورسوخ کی طاقت اور قوانین وضوابط کی حمایت چڈھا برادران کو ہلاکت سے نہ بچاسکی۔ دونوں بھائیوں نے خود ہی ایک دوسرے کو مار کر اپنا خاتمہ کرلیا۔

حقیقت یہ ہے کہ کوئی قانون یا قانونی تدبیر کسی کی محافظ نہیں بن سکتی، انسان کو اپنا محافظ آپ بننا ہے۔ اصل حفاظت یہ ہے کہ آدمی اپنی خواہش پر کنٹرول کرے، وہ اپنے آپ کو اشتعال سے بچائے، وہ مس ایڈونچرازم (misadventurism) کا شکار نہ ہو، وہ غصہ اور نفرت میں مبتلا نہ ہو، وہ حالات سے ٹکراؤ کے بجائے حالات سے ایڈجسٹ (adjust) کرے۔ حفاظت کا اصل فارمولا صرف ایک ہے اور وہ ہے — اپنے آپ کو اپنے آپ سے بچانا:

Saving yourself from yourself

کامیابی کس کے لیے

فٹ بال کا امریکی کوچ ونس لمبارڈی (Vince Lombardi) اپنی فیلڈ کا ایک مشہور آدمی تھا۔ اس کی وفات 1970 میں ہوئی۔ کھیل میں کامیابی کا راز کیا ہے، اس کے بارے میں اس کا ایک قول یہ ہے— کامیاب انسان اور دوسروں کے درمیان فرق علم اور طاقت کے اعتبار سے نہیں ہے، بلکہ یہ فرق عزم کے اعتبار سے ہے:

The difference between a succesful person and others, is not a lack of strength, not a lack of knowledge, but rather a lack of will.

اِس قول میں ایک حکمت بتائی گئی ہے۔ اِس حکمت کا تعلق صرف کھیل سے نہیں، بلکہ اس کا تعلق زندگی کے ہر میدان سے ہے۔ زندگی کا خواہ کوئی بھی میدان ہو، ہر میدان میں کامیابی کا اصول صرف ایک ہے۔ ہر میدان میں کامیابی کے لیے عزم یا قوتِ ارادی (will power) کی ضرورت ہوتی ہے۔

اِس دنیا میں کامیابی کے لیے بلاشبہہ طاقت کی بھی ضرورت پڑتی ہے اور علم کی بھی، لیکن آخر کار جو چیز فیصلہ کن ہوتی ہے، وہ آدمی کی قوتِ ارادی ہے۔ قوتِ ارادی اگر مستحکم ہو تو ہر صورتِ حال میں وہ آدمی کی رہنمائی رہتی ہے۔ زندگی میں ہمیشہ اونچ نیچ کے مرحلے پیش آتے ہیں۔ ایسی حالت میں مسلسل جدوجہد پر قائم رہنے کے لیے جو چیز آدمی کے کام آتی ہے، وہ صرف عزم اور قوتِ ارادی ہے۔

عزم سے مراد بابصیرت عزم ہے۔ عزم کا براہِ راست تعلق بصیرت (wisdom) سے ہے، جس آدمی کے اندر گہری بصیرت ہو، وہی کامیاب پلاننگ کرسکتا ہے اور جو آدمی کامیاب پلاننگ کا اہل ہو، وہی اِس امتحان میں پورا اتر سکتا ہے کہ وہ ہر پیش آمدہ صورتِ حال میں اپنے عزم پر مسلسل قائم رہے۔ عزم کسی بنیاد پر قائم ہوتا ہے اور یہ بنیاد صرف بصیرت ہے۔ جہاں بصیرت نہ ہو، وہاں عزم بھی نہ ہوگا۔

سوال وجواب

سوال

آپ نے لکھا ہے کہ اللہ تعالی نے اِس دنیا میں ہم کو امتحان کے لیے رکھا ہے، تا کہ وہ دیکھے کہ کون صبر واستقامت کے اِس امتحان میں کامیاب ہوتا ہے۔ آخرت کی جنت اِسی کامیاب ہونے والے انسان کے لیے ہے۔ سوال یہ ہے کہ خدا نے آخرت کی کامیابی کے لیے امتحان کا یہ طریقہ کیوں رکھا۔ اس کی وضاحت فرمائیں۔ (مکرم حسین، نئی دہلی)

جواب

یہ بات درست ہے کہ موجودہ دنیا میں ہمارے لیے ایک ہی آپشن (option) ہے اور وہ ہے — صبر واستقامت اور یک طرفہ ایڈجسٹ مینٹ کا آپشن۔ یہی آپشن، اللہ کے تخلیقی نقشہ کے مطابق ہے۔ اِس دنیا میں کامیاب زندگی کی تعمیر کے لیے اِس کے سوا کوئی دوسرا طریقہ سرے سے ممکن ہی نہیں۔ دوسرا طریقہ خودکشی کا طریقہ ہے، نہ کہ کامیابی کا طریقہ۔

اب سوال یہ ہے کہ ہمارے خالق نے ہمارے لیے یہ طریقہ کیوں مقرر کیا۔ اِس کا سبب یہ ہے کہ اِسی طریقے کے ذریعے آدمی کے اندر ذہنی ارتقا ہوتا ہے۔ خالق نے انسان کو بے شمار صلاحیتوں کے ساتھ پیدا کیا ہے، مگر یہ صلاحیتیں بالقوہ (potential) کے روپ میں ہیں، یعنی امکان کے روپ میں، نہ کہ واقعہ کے روپ میں۔ اللہ کے تخلیقی نقشے کے مطابق، انسان کی شخصیت کے اندر چھپی ہوئی فطری صلاحیتوں کو واقعہ بنانے کا طریقہ صرف ایک ہے اور وہ ہے چیلنج (challenge)۔ چیلنج آدمی کے سوئے ہوئے ذہن کو جگاتا ہے۔ چیلنج آدمی کو اِس قابل بناتا ہے کہ وہ زیادہ گہرائی کے ساتھ سوچ سکے۔ چیلنج اِس بات کا ذریعہ ہے کہ آدمی منفی تجربات میں مثبت آئٹم کو دریافت کرے۔ آدمی ابتدائی طور پر ایک ناپختہ (immature) مخلوق ہے۔ یہ صرف چیلنج ہے جو آدمی کو پختہ (mature) بناتا ہے۔ چیلنج آدمی کو یہ موقع دیتا ہے کہ وہ اپنی شخصیت کو انفولڈ (unfold) کرے۔

عام طور پر عورتوں اور مردوں کا حال یہ ہے کہ چیلنج پیش آنے کی صورت میں وہ منفی ردعمل

(negative reaction) کا طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔ اِس طرح کے مواقع پر منفی ردعمل، ڈی ریلمینٹ (derailment) کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں کسی عورت یا مرد کی زندگی غلط رخ پر چل پڑتی ہے۔ دھیرے دھیرے وہ اِسی میں کنڈیشنڈ (conditioned) ہوجاتے ہیں۔ اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اِسی منفی مزاج میں جیتے ہیں اور اِسی منفی مزاج میں مرجاتے ہیں۔

یہ کسی عورت یا مرد کی بدترین ناکامی ہے۔ اِس دنیا میں ہر شخص سے یہ مطلوب ہے کہ وہ اپنے اندر ایک مثبت شخصیت (positive personality) کی تشکیل کرے۔ مگر انسان اللہ کے تخلیقی منصوبے کو نہ سمجھنے کی بنا پر یہ کرتا ہے کہ وہ چیلنج کو ایک برائی (evil) سمجھ لیتا ہے۔ وہ دنیا سے اُس چیز کو حاصل کیے بغیر چلا جاتا ہے جس کو حاصل کرنے کے لیے خالق نے اُس کو اِس دنیا میں بھیجا تھا۔

سوال

1۔ ہمارے ملک (پاکستان) اور عموماً پوری دنیا میں ہر مرتبہ رمضان کی آمد کے ساتھ ہی ایک مسئلہ کھڑا ہوجاتا ہے کہ کل روزہ ہوگا یا نہیں۔ یہی صورتِ حال عید کے چاند پر بھی پیدا ہوتی ہے۔ اور اکثر ملک کے ایک حصہ میں روزہ رکھا جاتا ہے جب کہ دوسرے حصہ میں عید منائی جارہی ہوتی ہے (یہی صورتِ حال تقریباً پوری مسلم اور غیر مسلم دنیا میں بھی ہوتی ہے)

سوال یہ ہے کہ اگر روزے کا تعلق رمضان کے مہینے کی آمد سے ہے تو پھر دنیا میں ہر جگہ ایک ساتھ روزہ کیوں نہیں۔ اس سوال کا براہِ راست تعلق مذہب اور سائنس دونوں سے ہے۔ آپ ایک علمی بصیرت رکھنے والے اور جدید سائنسی اسلوب میں بات کرنے والے عالم دین ہیں۔ آپ سے التماس ہے کہ اس مسئلے کے بارے میں قرآن، احادیث اور رویت ہلال کی سائنس کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مسئلے کی وجوہات اور اس کا حل تفصیل سے بتائیں۔

2۔ مغربی دنیا کی چوٹی کے سائنس داں مثلاً آئن سٹائن اور فلاسفر مثلاً برٹرینڈ رسل وغیرہ حقیقی علم تک رسائی کیوں حاصل نہ کر سکے، حالاں کہ انھوں نے مذہب اور سائنس کا براہِ راست مطالعہ کیا تھا۔

3۔ آپ نے اپنی کتاب ''تجدید دین'' کے شروع میں لکھا ہے کہ ''فقہ'' کا لفظ عباسی دور کی

پیداوار ہے۔قرآن اور حدیث میں اس کا ذکر موجود نہیں ہے۔ جب کہ ہمیں معلوم ہے کہ حضرت معاذ بن جبل والی روایت سے جو اجتہاد کا نکتہ ہمیں ملتا ہے، وہ اصل میں فقہ کا ہی ایک حصہ ہے۔

میں نے اپنے گھر میں آپ کی ہر کتاب رکھی ہوئی ہے اور اُس کا مطالعہ کرتا رہتا ہوں۔ الرسالہ خود بھی پڑھتا ہوں اور اپنے اسکول کے پرنسپل صاحب کو بھی دیتا ہوں۔ میری اکثر دعا ہوتی ہے کہ خدا آپ کو لمبی عمر دے اور تندرست رکھے۔ میں ایم اے انگلش کا اسٹوڈنٹ ہوں اور ایک سرکاری اسکول میں ٹیچر بھی ہوں۔ (شہزاد احمد، پاکستان)

جواب

1۔ موجودہ زمانے میں علم فلکیات کی ترقی کی بنا پر یہ ممکن ہو گیا ہے کہ پیشگی طور پر رویتِ ہلال کا ٹھیک ٹھیک یقین کیا جا سکے۔ اِس لیے ذاتی طور پر میری رائے ہے کہ آبزرویٹری کے فلکیاتی مشاہدہ کے تحت جو کیلنڈر بنتے ہیں، اُس کیلنڈر کو بنیاد بنا کر رمضان اور عید کے چاند کا تعین کرنا چاہیے۔ لیکن اِسی کے ساتھ میری یہ رائے ہے کہ علما چوں کہ ابھی تک اس مسئلے پر متفق نہیں ہوئے ہیں، اس لیے دفعِ فتنہ کے لیے عملاً وہی کرنا چاہئے جو علما کی اکثریت کا مسلک ہے۔

2۔ موجودہ زمانے کے سیکولر اہلِ علم مذہب کا مطالعہ کرتے ہیں، لیکن اُن کا طریقِ مطالعہ مختلف ہوتا ہے۔ ہم آپ مذہب کو وحی کا ظاہرہ سمجھتے ہیں، لیکن سیکولر اہلِ علم مذہب کا مطالعہ اِس ذہن کے تحت کرتے ہیں کہ مذہب ایک سماجی ظاہرہ (social phenomenon) ہے، اِس لیے وہ مذہب کا مطالعہ کر کے بھی مذہب کو اپنا عقیدہ نہیں بنا پاتے۔ اِس سلسلے میں پہلی ضرورت یہ ہے کہ اُن کے طریقِ مطالعہ کو بدلا جائے۔ اِس موضوع پر میں اپنی کتابوں میں تفصیل سے لکھ چکا ہوں۔

3۔ حضرت معاذ بن جبل کی روایت میں فقہ کا لفظ موجود نہیں ہے اور میرا کہنا یہی ہے کہ فقہ کا لفظ اپنے موجودہ مفہوم کے اعتبار سے، ایک بعد کی اصطلاح ہے، دورِ اول میں یہ اصطلاح موجود نہ تھی۔

آپ کے وطن میں آپ جیسے بہت سے لوگ ہیں۔ بہتر ہوگا کہ آپ اِن افراد سے ربط قائم کریں اور اجتماعی کوشش سے اپنے علاقے میں الرسالہ کے دعوتی مشن کو آگے بڑھائیں۔

خبر نامہ اسلامی مرکز—222

1۔ چنئی (تمل ناڈو) میں 20-11 جنوری 2013 کے درمیان وہاں کے ساحلی ایریا (اتھنڈی) میں ایک پیس کانفرنس ہوئی۔ یہاں گڈورڈ بکس نے اپنا اسٹال لگایا۔ اسٹال کا انتظام مسٹر ممتاز راجہ نے سنبھالا۔

2۔ چنئی (تمل ناڈو) کے وائی ایم سی اے گراؤنڈ میں 23-11 جنوری 2013 کے دوران چنئی بک فیر ہوا۔ اِس میں گڈورڈ بکس نے شرکت کی۔ یہاں بک اسٹال کا انتظام مسٹر فرقان خاں نے سنبھالا۔ یہاں مقامی طور پر الرسالہ سے وابستہ عمری گروپ کے ساتھیوں نے وزٹرس سے مل کر اُن کو دعوتی پمفلٹس دئے۔

3۔ ہمارے ساتھی مقامی طور پر دعوہ ورک کرنے کے ساتھ سفر کے دوران بھی دعوتی کام کرتے ہیں۔ مثلاً ہمارے ایک ساتھی مسٹر حمید اللہ حمید (کشمیر) نے جنوری 2013 کے تیسرے ہفتے میں ساؤتھ انڈیا کے مختلف پروگراموں میں شرکت کے لیے وہاں کا سفر کیا۔ اِس دوران انھوں نے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں سے مل کر ان کے سامنے اسلام کا مثبت تعارف پیش کیا۔ انھوں نے لوگوں کو قرآن کا انگریزی ترجمہ اور دعوتی میٹریل برائے مطالعہ دیا۔

4۔ جمشید پور (جھارکھنڈ) میں ہمارے ساتھی دعوہ ورک کر رہے ہیں۔ وہ مختلف موقعوں پر لوگوں سے مل کر ان کو دعوتی لٹریچر پیش کرتے ہیں۔ مثلاً 13 جنوری 2013 کو ٹیلکو اسکول میں ایک کوئز کامپٹیشن ہوا۔ اِس کی دعوت پر ہمارے ایک ساتھی مسٹر ایاز احمد نے اس میں شرکت کی اور القرآن مشن کا تعارف کرایا۔ اِسی طرح 17 فروری 2013 کو ''قرآن فار آل'' کے پروگرام کے تحت اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

5۔ نئی دہلی کے ادارہ اسلامک فاؤنڈیشن (IFSE) کی طرف سے 20 جنوری 2013 کو ایوانِ غالب (نئی دہلی) میں قرآن کے موضوع پر ایک کانفرنس ہوئی۔ اِس کی دعوت پر ہمارے ساتھیوں نے اس میں شرکت کی اور باہر سے آئے ہوئے مقررین کو صدر اسلامی مرکز کی نئی تصنیف ''کتابِ معرفت'' برائے مطالعہ دی۔ اِس کے علاوہ، یہاں خود اسلامک فاؤنڈیشن کی طرف سے ہمارے یہاں کے مطبوعہ تراجمِ قرآن حاضرین کو بطور ہدیہ پیش کیے گئے۔

6۔ روحانی مرکز (سہارن پور) میں 25 جنوری 2013 کو ایک پروگرام ہوا۔ اِس میں دہلی اور اطراف کے مقررین نے شرکت کی۔ اِسی طرح شام کو شہر میں ایک دوسرا پروگرام ہوا۔ یہاں حاضرین کو مطالعے کے لیے دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

7۔ نئی دہلی کے ٹی وی چینل اسٹار نیوز کی ٹیم نے یکم فروری 2013 کو صدر اسلامی مرکز کا ایک ریڈیو انٹرویو ریکارڈ کیا۔ یہ انٹرویو ''وشوروپم'' فلم کے بارے میں حالیہ تنازعہ سے متعلق تھا۔ سوالات کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا گیا کہ یہ آزادی رائے کا زمانہ ہے۔ اگر اِس فلم پر کسی کمیونٹی کو کوئی اعتراض ہے تو اس کو چاہئے کہ وہ اِس معاملے میں ذمے داروں سے مل کر بات کرے۔ اس کے خلاف احتجاج اور ہنگامہ آرائی اسپرٹ آف ایج (spirit of age) کے خلاف ہے، نیز احتجاج کا طریقہ کسی مسئلے کا کوئی حقیقی حل نہیں۔

8۔ لاہور (پاکستان) سے جیو ٹی وی (اردو) نے 2 فروری 2013 کو ویڈیو کانفرنسنگ کے ذریعے صدر

اسلامی مرکز کا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ یہ انٹرویو موجودہ زمانے کے مسلمانوں کے فکری مسائل پر تھا۔ سوالات کے دوران موضوع کی وضاحت کی گئی۔ ایک سوال اسلام کی سیاسی تعبیر کے بارے میں تھا۔

9۔ رام لیلا گراؤنڈ (نئی دہلی) میں 3 فروری 2013 کو شری شری روی شنکر کی طرف سے والنٹیرس فار بٹر انڈیا (Volunteers for better India) کے موضوع پر ایک آل انڈیا کانفرنس ہوئی۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اپنی ٹیم کے ساتھ اس میں شرکت کی۔ اِس موقع پر سی پی ایس انٹرنیشنل کی دعوہ فیلڈ ٹیم (DFT) کے تعاون سے رام لیلا گراؤنڈ میں ایک بک اسٹال لگایا گیا۔ یہاں سی پی ایس کے ممبران کی طرف سے خرید کر حاضرین کو کئی ہزار کی تعداد میں قرآن کا ہندی، انگریزی ترجمہ اور دعوتی بروشر بطور گفٹ دیا گیا۔ خاص طور پر ملک و بیرونِ مل سے آئے ہوئے خصوصی مہمانوں کو پرافٹ آف پیس اور قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

10۔ نئی دہلی کے پرگتی میدان میں 10۔4 فروری 2013 کے دوران ورلڈ بک فیر ہوا۔ یہاں پرگتی میدان کے ہال نمبر 14 اور ہال نمبر 18 میں گڈ ورڈ بکس نے اپنا اسٹال لگایا۔ اِس موقع پر سی پی ایس کی دعوہ فیلڈ ٹیم (DFT) نے بک فیر کے وزٹرس کو قرآن کا انگریزی ترجمہ اور دعوتی پمفلٹس دئے۔ بک فیر میں کئی آتھرس کارنر (Author's Corner) تھے۔ یہاں ہمارے ساتھیوں نے مختلف مصنفین سے مل کر ان کو دعوتی لٹریچر دیا۔ مثلاً مشہور انگلش رائٹر رسکن بانڈ (Ruskin Bond) کو پرافٹ آف پیس اور قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔

11۔ آن لائن میگزین مسلم مرر (Muslim Mirror) کے ایڈیٹر سید زبیر احمد نے 10 فروری 2013 کو صدر اسلامی مرکز کا ایک ویڈیو انٹرویو ریکارڈ کیا۔ یہ انٹرویو مسلمان اور موجودہ حالات کے موضوع پر تھا۔ سوالات کے دوران موضوع کی وضاحت کی گئی۔ یہ انٹرویو انگریزی زبان میں تھا۔

12۔ یروشلم (فلسطین) میں 15-10 فروری 2013 کے دوران ایک انٹرنیشنل بک فیر ہوا۔ یہاں گڈ ورڈ بکس نے اپنا اسٹال لگایا۔ یہاں سے بڑی تعداد میں وزٹرس نے قرآن کا انگریزی ترجمہ اور دعوتی لٹریچر حاصل کیا۔ نیز اسٹال پر انگریزی کے علاوہ، عبرانی ترجمہ قرآن بھی رکھا گیا تھا۔

13۔ نئی دہلی کے سی بی سی آئی سنٹر (گول ڈاک خانہ) میں 21 جنوری 2013 کو ایک خیر مقدمی تقریب ہوئی۔ وہ نئی دہلی کے نئے آرک بشپ (Anil Couto) کی آمد کے موقع پر تھی۔ اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اپنے ساتھی مسٹر رجت ملہوترا کے ساتھ اس میں شرکت کی اور انگریزی زبان میں ایک مختصر خطاب کیا۔ یہ خطاب اسلام اور امن (Islam & Peace) کے موضوع پر تھا۔ اِس پروگرام میں مختلف مذاہب کی نمائندہ شخصیتوں نے شرکت کی۔ یہاں حاضرین کو سی پی ایس کی طرف سے قرآن کا انگریزی ترجمہ اور دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

14۔ یکم مارچ 2013 کو نئی دہلی کے اسلامک اسٹڈیز اسوسی ایشن (ISA) سے وابستہ 6 مسیحی علما صدر اسلامی مرکز سے ملاقات کے لیے آئے۔ اس کے نمائندہ وکٹر ایڈون (Victor Edwin SJ) تھے۔ گفتگو کا

موضوع — مسلم کرسچین ڈائلاگ تھا۔ سوالات کے دوران موضوع کی وضاحت کی گئی ہے۔

15۔ اسلامک اسٹڈیز اسوسی ایشن (ISA) کی طرف سے 2 مارچ 2013 کو نئی دہلی کے سینٹ زیویرس اسکول (St. Xavier's School) میں Muslim Experience of Life کے موضوع پر ایک سیمنار ہوا۔ اس کی دعوت پر سی پی ایس کے ممبران نے اس میں شرکت کی اور حاضرین کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا۔ مزمار یہ خان نے سی پی ایس کی نمائندگی کرتے ہوئے یہاں موضوع پر انگریزی زبان میں ایک تقریر کی۔

16۔ سی پی ایس کے تحت مختلف اجتماعی مقامات پر قرآن کا انگریزی ترجمہ برائے تقسیم رکھا جاتا ہے۔ مثلاً ہوٹل اسپتال، وغیرہ۔ اِس سلسلے میں یکم مارچ 2013 کو نئی دہلی کے راجیو گاندھی کینسر انسٹی ٹیوٹ اینڈ رسرچ سنٹر میں قرآن کا انگریزی ترجمہ رکھا گیا۔ لوگ یہاں سے بخوشی اس کو حاصل کررہے ہیں۔

17۔ مُکل اکیڈمی (سہارن پور) میں 6 مارچ 2013 کو نیشنل میڈیکل کالج کے تعاون سے ایک سیمنار ہوا۔ اِس کا موضوع تھا — پیغمبر اسلام: ایک آدرش چرتر۔ اِس میں 40 کالج کے اسٹوڈنٹس کو شریک کیا گیا۔ اِس کی دعوت پر سہارن پور کے ساتھیوں کی ٹیم نے اِس پروگرام میں شرکت کی اور سیرتِ رسول کے مذکورہ موضوع پر اظہار خیال کیا۔ یہاں حاضرین کو مطالعے کے لیے دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

18۔ نئی دہلی کی انڈین کاؤنسل فار کلچرل ریلیشنس (ICCR) کی طرف سے 9 مارچ 2013 کو انڈیا انٹرنیشنل سنٹر (نئی دہلی) کے ملٹی پرپز ہال میں ایک انٹرفیتھ کانفرنس ہوئی۔ اِس کا موضوع یہ تھا:

On World Religions: Diversity, Not Dissension

اس کی دعوت پر صدر اسلامی مرکز نے اس میں شرکت کی۔ یہ ایک پینل ڈسکشن تھا جس میں صدر اسلامی مرکز کے علاوہ، ایچ ایچ دلائی لاما، ریویرینڈ ٹوٹو (Mpho Tutu) اور ڈاکٹر کرن سنگھ شریک تھے۔ یہاں صدر اسلامی مرکز نے اپنے خطاب اور سوالات کے دوران اسلام کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی۔ خطاب کے بعد لوگوں نے صدر اسلامی مرکز سے مل کر کہا کہ آپ کی بات سن کر ہم کو قرآن سے دلچسپی پیدا ہوگئی ہے۔ اب ہم ضرور قرآن کا مطالعہ کریں گے۔ اِس موقع پر دعوہ فیلڈ ٹیم (DFT) کی طرف سے لوگوں کو قرآن کا انگریزی ترجمہ اور دعوتی لٹریچر دیا گیا۔

19۔ گاندھی میدان (پٹنہ، بہار) میں 24-13 مارچ 2013 کو ایک بک فیر ہوا۔ اِس میں نئی دہلی سے گڈ ورڈ بکس نے شرکت کی۔ اسٹال کا انتظام شاہ عمران حسن نے سنبھالا۔ اِس کے علاوہ، ہمارے کئی مقامی ساتھیوں نے یہاں اپنا تعاون دیا۔ انھوں نے وزٹرس سے مل کر اُن سے مشن کو متعارف کیا اور ان کو دعوتی پمفلٹس دئے۔

20۔ افریقی جزیرہ ماریشش (Mauritius) کے سوامی وویکانند انٹرنیشنل کنونشن سینٹر (Les Pailles) میں 10-7 مارچ 2013 کے دوران ایک انٹرنیشنل بک فیر ہوا۔ اِس میں گڈ ورڈ بکس نے شرکت کی۔ اسٹال پر کافی لوگوں نے وزٹ کیا اور دعوتی لٹریچر حاصل کیا۔ خاص طور پر وزٹ کے دوران ماریشش کے وزیر اعظم مسٹر نوین رام غلام

(Navin Ramgoolam) کو قرآن کا انگریزی ترجمہ دیا گیا۔ اسٹال کا انتظام مسٹر ممتاز راجہ نے سنبھالا۔

21۔ نیوز ایکسپریس ٹی وی (نوئڈا) کے نمائندہ مسٹر راشد احمد خان نے 11 مارچ 2013 کو صدر اسلامی مرکز کا ایک ویڈیو انٹرویو ریکارڈ کیا۔ انٹرویو کا موضوع یہ تھا— مائنارٹی افیرس (Minority Affairs)۔

22۔ انڈیا اور انڈیا سے باہر کے دوسرے مقامات کی طرح سہارن پور (یوپی) میں ہمارے ساتھی مسلسل طور پر دعوہ ورک کر رہے ہیں۔ مثلاً سہارن پور کے تین ٹی وی چینل پر ہمارے ساتھیوں نے ایک اشتہار دیا ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ اُن کے مقامی سنٹر (پیس ہال) سے اردو، ہندی اور انگریزی ترجمہ قرآن مفت حاصل کیا جائے۔ اِس کی وجہ سے روزانہ لوگ رابطہ کر کے یہاں سے قرآن کے تراجم حاصل کر رہے ہیں۔

23۔ دعوتی لٹریچر اور الرسالہ مشن سے متعلق قارئین کے چند تاثرات یہاں درج کیے جاتے ہیں:

الرسالہ کے مطالعہ سے میری ذاتی زندگی میں بے حد مثبت تبدیلی آئی ہے۔ یہ کہنا درست ہے کہ الرسالہ نے مجھے زندگی کی حقیقتوں کو پہچاننے اور ان کا حوصلہ مندی کے ساتھ سامنا کرنے کی سمجھ دی ہے۔ میں نے ہمیشہ اپنے اطراف خواتین کو ایک دوسرے کی برائی، غیبت، چغلی اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے سطحی مشغلوں میں مصروف دیکھا ہے۔ خواہ وہ گھریلو خواتین ہوں یا تعلیم یافتہ اور working women۔ الرسالہ کے مطالعہ سے الحمدللہ میں اِس قابل ہوئی کہ میری فکری سطح ان ساری باتوں سے اوپر اٹھ چکی ہے۔ ایک عورت کا مقصدِ حیات کیا ہے، یہ میں نے الرسالہ کی تحریروں میں پایا ہے۔ الرسالہ نے مجھے یہ سمجھ دی کہ کسی کے منفی عمل کا جواب دے کر ہم اللہ کی نصرت سے محروم ہوجاتے ہیں، کیوں کہ جب ہم ردّعمل نہ کریں تو اللہ کے فرشتے ہماری طرف سے اس کا جواب دیتے ہیں، اور بلاشبہہ اس سے بڑی کوئی بات نہیں ہوسکتی۔ الرسالہ مشن ایک خاتونِ خانہ کے لیے بھی اتنا ہی مفید ہے جتنا کہ ایک مرد کے لیے۔ ازدواجی زندگی کے لیے مولانا نے ایک نصیحت کی تھی، وہ ہے یک طرفہ ایڈجسٹ مینٹ۔ یہ صد فی صد صحیح فارمولا ہے ایک اجنبی ماحول نیز اجنبی افراد کے دل میں جگہ بنانے کا۔ الرسالہ کے مضامین اور ''نکاح اور کامیاب ازدواجی زندگی'' (خاندانی زندگی) پڑھنے سے الحمدللہ میں تیار ذہن کے ساتھ ازدواجی زندگی شروع کرسکی ہوں، ورنہ منفی ذہنیت اور شکایت میری ذات کا حصہ تھی۔ ایسا نہیں ہے کہ ناخوش گوار بات پیش نہ آتی ہو، زندگی میں ہر دن ایک ناموافق اور ناخوش گوار بات پیش آتی ہے، لیکن الرسالہ کی تربیت نے مجھے ان مسائل کو چیلنج سمجھنے کی صلاحیت دی ہے۔ الرسالہ نے حقیقت پسندانہ انداز میں اجتماعی زندگی گزارنے کے اصول سکھائے ہیں۔ ماں باپ، بھائی بہن کے برتاؤ سے لے کر سُسرالی رشتہ دار، شوہر، نیز بچوں کی تربیت وغیرہ تک ہر موڑ پر الرسالہ کے مضامین بے حد کارآمد ہیں۔ ضرورت صرف سنجیدگی کے ساتھ اور کھلے ذہن سے پڑھنے کی اور ان اصولوں کو اپنی روزمرّہ کی زندگی میں اختیار کرنے کی ہے۔ اِسی کے ساتھ خود احتسابی کی اشد ضرورت ہے۔ اللہ کے فضل سے میں نے یہ طے کیا ہے کہ میں اپنے گھر کو ''بگاڑ کا کارخانہ'' بننے نہیں دوں گی، ان شاء اللہ۔ (اے ایم بشریٰ، حیدرآباد، انڈیا)

- Dear Maulana, I was getting astray, Allah saved me through you, thanks a lot. After reading about the Prophet and the Life of the Prophet, I was very satisfied with his life and he impressed me the most. I met a person who is a regular reader of Al Risala in my college, I talked to him many times and saw him talking wisdom and he was behaving very much well. I thought to read Al Risala but was not able to. Even I recieved first copy of Al Risala in 2011 through a person of my town, but I was not reading. I read Al-Risala many times and thanked Allah so much. I got answer to my questions. I got what I was seeking from many years. It removed my misconceptions and guided me in many matters. Now I'm a regular reader of Al-Risala. I read it 30 times every month. (Faheem Khan, J&K)

- Dear Maulana, please allow me this opportunity to express my sincerest thanks for your important work. Writing to you from the northernmost university town of Umeå, Sweden, I am currently working on a PhD dissertation on Islamic nonviolence. Since I find your work crucial for any in-depth study of the field, a selection of your works will be an important addition to the chapter describing Islamic non-violent thinking and theology. Also, for this reason I would very much like to come to India in order to gain a deeper understanding of the context of your work and hopefully also conduct a formal interview with yourself for the purposes of my research. With hopes that you will find the idea of a Swedish dissertation on Islamic nonviolence somewhat interesting and most of all that you will agree to a meeting at your convenience and share your thinking with a Swedish audience.

  (Mattias Dahlkvist, Umeå University, Sweden)

ایجنسی الرسالہ

الرسالہ بیک وقت اردو اور انگریزی میں شائع ہوتا ہے۔ الرسالہ (اردو) کا مقصد مسلمانوں کی اصلاح اور ذہنی تعمیر ہے۔ الرسالہ (انگریزی) کا خاص مقصد یہ ہے کہ اسلام کی بے آمیز دعوت کو عام انسانوں تک پہنچایا جائے۔ الرسالہ کے تعمیری اور دعوتی مشن کا تقاضا ہے کہ آپ نہ صرف اس کو خود پڑھیں بلکہ اس کی ایجنسی لے کر اس کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں دوسروں تک پہنچائیں۔ ایجنسی گویا الرسالہ کے متوقع قارئین تک اس کو مسلسل پہنچانے کا ایک بہترین درمیانی وسیلہ ہے۔ الرسالہ (اردو) کی ایجنسی لینا ملّت کی ذہنی تعمیر میں حصہ لینا ہے جو آج ملت کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ اسی طرح الرسالہ (انگریزی) کی ایجنسی لینا اسلام کی عمومی دعوت کی مہم میں اپنے آپ کو شریک کرنا ہے جو کارِ نبوت ہے اور ملت کے اوپر سب سے بڑا فریضہ ہے۔

ایجنسی کی صورتیں

1- الرسالہ کی ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے کمیشن 33 فی صد ہے۔ 50 پرچوں سے زیادہ تعداد پر کمیشن 40 فی صد ہے۔ پیکنگ اور روانگی کے تمام اخراجات ادارہ الرسالہ کے ذمہ ہوتے ہیں۔ 2- زیادہ تعداد والی ایجنسیوں کو ہر ماہ پرچے بذریعہ وی پی روانہ کئے جاتے ہیں۔ 3- کم تعداد والی ایجنسی کے لئے ادائیگی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پرچے ہر ماہ سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں، اور صاحب ایجنسی ہر ماہ یا دو تین ماہ بعد اس کی رقم بذریعہ منی آرڈر روانہ کردے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ تین مہینے تک پرچے سادہ ڈاک سے بھیجے جائیں اور اس کے بعد والے مہینے میں تمام پرچوں کی مجموعی رقم کی وی پی روانہ کی جائے۔

زرتعاون الرسالہ

ہندستان کے لئے		بیرونی ممالک کے لئے (ہوائی ڈاک)
ایک سال	Rs. 150	$20
دو سال	Rs. 300	$40
تین سال	Rs. 450	$60

Rahnuma-e-Zindagi
by
Maulana Wahiduddin Khan
ETV Urdu
Tuesday and Thursday 5.00 am

ISLAM FOR KIDS
by
Saniyasnain Khan/Maria Khan
ETV Urdu
Every Sunday 9.00 am